شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ
مئی ۲۰۱۶ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی : ڈاکٹر اسرار احمدؒ

رحمتِ الٰہی کی وسعت اور توبہ کی فضیلت

(مطالعۂ حدیث)

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

داعیٔ رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(بارھواں ایڈیشن) ـــــــــ صفحات:360، قیمت 475 روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(دسواں ایڈیشن) ـــــــــ صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
(ساتواں ایڈیشن) ـــــــــ صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(چھٹا ایڈیشن) ـــــــــ صفحات 394، قیمت 485 روپے

حصہ پنجم سُورۃُ مریم تا سُورۃُ السّجدۃ
(پانچواں ایڈیشن) ـــــــــ صفحات 480، قیمت 575 روپے

حصہ ششم سُورۃُ الاحزاب تا سُورۃُ الحجرات
(چوتھا ایڈیشن) ـــــــــ صفحات 484، قیمت 590 روپے

حصہ ہفتم سُورۃُ قٓ تا سُورۃُ النّاس
(دوسرا ایڈیشن) ـــــــــ صفحات 560، قیمت 650 روپے

یکے از مطبوعات: انجمن خُدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور

شائع کردہ: مکتبہ خُدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 65

شمارہ : 5

شعبان المعظّم 1437ھ

مئی 2016ء

فی شمارہ 30/-

مُدیر

حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

❁ اندرون ملک	300 روپے
❁ بھارت وبنگلہ دیش	900 روپے
❁ ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	1200 روپے
❁ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

❁ **عرضِ احوال** ——— 5

خلافت کے بغیر آزادی ممکن نہیں — ادارہ

❁ **بیانُ القُرآن** ——— 9

سورۃ الفرقان (آیات ۱ تا ۳۴) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

❁ **مطالعۂ حدیث** ——— 27

رحمتِ الٰہی کی وسعت اور توبہ کی فضیلت — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

❁ **تذکّر و تدبّر** ——— 47

قرآن کریم کی اُصولی باتیں (۹) — ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

❁ **دعوت فکر** ——— 57

قومی یکجہتی میں مسجد و مدرسہ کا کردار — انجینئر مختار فاروقی

❁ **انوارِ ھدایت** ——— 61

رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

❁ **توضیح و تنقیح** ——— 67

غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ'
دستورِ پاکستان اور قادیانیت — شکیل عثمانی

❁ **خطوط و نکات** ——— 89

شیخ رحیم الدین صاحب کے نام تہنیتی مکتوب — اویس پاشا قرنی

❁ **یادِ رفتگاں** ——— 91

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۶) — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

خلافت کے بغیر آزادی ممکن نہیں!

''پاناما لیکس'' نے جہاں اور بہت سے رازوں سے پردہ اُٹھایا' وہاں دنیا پر مسلط سرمایہ دارانہ نظام کے کریہہ چہرے سے بھی نقاب اُلٹ دیا' جسے مغرب نے نام نہاد جمہوریت کے خوبصورت اور دلکش لبادوں میں چھپا کر دنیا کے سامنے آزادی کی نیلم پری کے طور پر پیش کیا تھا' اور دنیا اس راز سے بے نیاز ہو کر کہ جمہوریت میں درحقیقت ان کی آزادی سرمایہ داروں کے ہاں رہن رکھ دی گئی ہے' اسے نجات کا پروانہ سمجھ رہی تھی۔ حالانکہ اہلِ دانش وبینش کے نزدیک یہ راز کبھی بھی راز نہ تھا اور وہ ببانگِ دُہل دنیا کے سامنے کہہ رہے تھے ؎

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!

لیکن کیا کیجیے عوام کی سادہ دلی کا کہ وہ سرمایہ داروں کے زرخرید میڈیا کے پروپیگنڈے کے زیر اثر ''میگا لیکس'' کے بعد بھی یہی سمجھتے رہیں گے کہ جبر واستبداد کے قصے صرف بادشاہوں یا آمروں کے دور میں ممکن تھے' موجودہ دور تو جمہوریت کا ہے اور ایسی عوامی حکومت میں جبر واستبداد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سرمایہ داروں کے وظیفہ خوار دانشور جمہوریت کی تعریف میں ہمہ وقت رطب اللسان رہیں گے' حتیٰ کہ اقبال کو بھی جمہوریت کا حمایتی ثابت کرنے کے لیے بے ڈھنگے اور بھونڈے دلائل دیتے رہیں گے۔ عوام سیاسی مداریوں کے دامِ فریب میں گرفتار ہو کر بظاہر جمہوریت کے لیے اپنا قیمتی وقت' پیسہ اور اپنی جانیں لگاتے رہیں گے' لیکن اصل میں سرمایہ دارانہ نظام کے پنجۂ استبداد کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہیں گے۔ اپنے ملک میں ہی دیکھ لیجیے! ہر الیکشن میں ایک دو درجن سیاسی کارکن اپنی جانیں ہار جاتے ہیں' لیکن انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ جنہیں وہ اپنی آزادی اور حقوق کے علمبردار اور قوم کے نمائندے سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت عالمی سامراج کے کٹھ پتلی ثابت ہوں گے اور حکومت میں آنے کے بعد قومی مفادات

اور عوامی خواہشات کے برعکس صرف عالمی سامراجی ایجنڈے پر عملدرآمد کو آگے بڑھائیں گے۔ ہر پالیسی' ہر بل' ہر فیصلہ' ہر عمل اور ہر اقدام قومی اقدار ونظریات اور عوامی جذبات کے منافی اور عالمی سامراجی قوتوں کی خواہشات کے مطابق ہوگا۔ پھر چاہے عوام ان کے قوم اور ملک مخالف فیصلوں کے خلاف سڑکوں پر ہی کیوں نہ نکل آئیں' انہیں کوئی پروا نہیں ہوگی۔ یہ تو دنیا کے سامنے یہی کہیں گے کہ ہم تو منتخب ہو کر آئے ہیں اور عوام نے ہمیں مینڈیٹ دیا ہے۔

بے چارے عوام جنہیں الیکشن سے قبل ''عوام کی حکومت' عوام کے لیے'' کا سلوگن پڑھایا جاتا ہے اب حکومت سے یہ تک پوچھنے کا اختیار بھی نہیں رکھتے کہ کیا انہوں نے مینڈیٹ ناموسِ رسالت کے محافظوں کے قتل کے لیے دیا تھا؟ عورتوں کی آزادی کے نام پر خاندانی اور گھریلو نظام کو تلپٹ کرنے اور ماؤں' بہنوں' بیٹیوں کو چوک چوراہوں میں کھڑا کرنے کے لیے دیا تھا؟ اقبال کی چھٹی ختم کرنے اور پاکستان کو لبرل ازم کے نام پر بے دینی' فحاشی اور عریانی کے سیلاب میں دھکیلنے کے لیے دیا تھا؟..... اگر نہیں دیا تو پھر یہ فیصلے کس کے اشارے اور کہنے پر ہو رہے ہیں؟

حالانکہ حکومت جانتی بھی ہے کہ وہ جو اقدامات کر رہی ہے وہ قومی اقدار ونظریات کے خلاف ہی نہیں بلکہ ملکی اساس کے بھی بالکل متضاد ہیں۔ ایک عام آدمی بھی بخوبی جان سکتا ہے کہ ایک طرف ملک میں اسلام کا گلا گھونٹنا' مدرسوں پر چھاپے' علماء کو ہراساں کرنا' مذہبی طبقے کا گھیراؤ' مذہبی شعار ورسومات پر پابندیاں اور دوسری طرف ہولی ودیوالی میں شرکت اور کرسمس اور دیگر غیر اسلامی تہوار وتہذیب کی حوصلہ افزائی' ہندی اور مغربی کلچر کا سرکاری سطح پر فروغ کیا معنی رکھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی حکومت یہ سب کر رہی ہے تو ایسی کون سی مجبوری ہے یا کون سی ایسی خفیہ قوتیں ہیں جو ایک آزاد وخودمختار ملک کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتی ہیں اور ان سب اقدامات سے وہ آخر کار کیا چاہتی ہیں؟

یہی وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے جوابات جاننا آج کی سب سے اہم ضرورت ہے' کیونکہ ہمارے تمام تر مسائل اور مصائب کا حل انہی سوالات کے جوابات میں پنہاں ہے۔ لہٰذا ان بنیادی حقائق کو تسلیم کیے بغیر ہم بحیثیت آزاد قوم ترقی نہیں کر سکتے' نہ اپنی مرضی سے اپنے مستقبل کے فیصلے کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی مرضی کی ایسی حکومت لا سکتے ہیں جو قومی اقدار و نظریات کے مطابق فیصلے کرنے میں آزاد وخودمختار ہو۔ چنانچہ پانامہ لیکس میں ان سوالات کے کافی وشافی جوابات موجود ہیں' اگرچہ حقائق کے دروازے پہلے بھی ہر کس وناکس پر بند نہ تھے۔

جمہوریت کی معلوم تاریخ سے بخوبی ظاہر ہے کہ اس کے نام پر انسانیت کے ساتھ صرف

کھلواڑ ہی ہوا اور اصل اختیارات جمہوریت میں ہمیشہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے پاس رہے۔ مغرب اپنے آپ کو جمہوریت کا چیمپئن قرار دیتا ہے اور تاریخی طور پر اپنے آپ کو یونان اور روم کی جمہوریت اور آئین سے منسلک کرتے ہوئے اس بات کا دعویدار بنتا ہے کہ جمہوریت کی صورت میں عوامی فلاح کا بہترین نظام انہوں نے دنیا کو دیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یونان اور روم کی جمہوریتیں فی الواقع عوامی تھیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یونان اور روم میں سینٹ تمام کی تمام سرمایہ داروں' جاگیرداروں اور جرنیلوں پر ہی مشتمل ہوتی تھی؟ کیا عوامی اسمبلیوں میں عام آدمی کی رسائی ممکن تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ یونان میں سب سے پہلے جمہوریت کا شوشہ اُس وقت (۵۰۸ ق م میں) چھوڑا گیا جب مطلق العنان بادشاہت کو عوامی ردعمل اور فوجی جاگیرداروں سے خطرہ محسوس ہوا۔ اسی طرح روم میں جمہوریت کی شروعات اس وقت ہوئیں جب سرمایہ داروں (سینیٹرز لوکس' جونیس اور بروٹس) نے آخری بادشاہ جولیس سیزر کو قتل کرنے کے بعد اقتدار اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کی۔ اسی کوشش کے نتیجے میں ۴۵۱ ق م میں دس رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے سپارٹا کے نقش قدم پر روم میں جمہوری ڈھانچے کی بنیاد رکھی۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس کمیٹی میں بھی دس کے دس ارکان سرمایہ دار اور جاگیردار تھے۔ یوں جمہوریت کے نام پر سرمایہ داروں' فوجی جرنیلوں اور اشرافیہ نے قوت' دولت اور اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے لیے جمہوریت کے نام پر ایک ایسا نظام متعارف کرایا جس میں عام آدمی کو حکومت میں حصہ دار بنانے کا جھانسہ دے کر بغاوت کے امکانات کو دبا دیا گیا۔ لیکن یہ فراڈ زیادہ عرصہ تک نہ چل سکا۔ یونان میں ۳۷۱ ق م میں جنگ Leuctra میں بالآخر فلپ میسیڈونین دوم کے ہاتھوں اس جمہوری ڈرامے کا ڈراپ سین ہوا۔

انسانیت کے ساتھ جمہوریت کے نام پر سب سے بڑے دھوکے کا آغاز از سرنو مغرب نے سولہویں صدی عیسوی میں کیا' لیکن اس وقت سے لے کر آج تک صرف سرمایہ دار ہی جمہوریت کے نام پر انسانوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ میں آج بھی کوئی غریب یا متوسط طبقے کا آدمی الیکشن لڑنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ امریکہ میں صدارتی انتخاب میں ایک اُمیدوار کو جتنا سرمایہ درکار ہوتا ہے کیا ایک عام آدمی اس کا متحمل ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کی بنیاد اس دجالی فلسفہ پر ہے کہ منظر عام پر نظام کچھ اور نظر آئے لیکن در پردہ قوت کچھ اور ہو۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ان در پردہ قوتوں میں سیکرٹ سوسائٹیز کا غلبہ ہوا۔ برطانیہ کی MI-5 اور MI-6 نامی خفیہ ایجنسیوں اور امریکہ کی سی آئی اے

کسی شہرت کی محتاج نہیں۔ سی آئی اے نے ساٹھ کی دہائی میں خلیج خنازیر کے مسئلہ پر اختلاف کی بنیاد پر اپنے ہی صدر کینیڈی کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اسی طرح امریکی صدر ریگن کے دور میں ایران گیٹ اسکینڈل بھی کافی شہرت کا حامل ہے۔ کیا صدر کینیڈی اور ریگن امریکی عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر نہیں آئے تھے؟ دوسری طرف برطانیہ جسے جمہوریت کی جائے پیدائش کہا جاتا ہے وہاں بادشاہت کا ''پیوند'' ابھی تک جگمگا رہا ہے۔ صرف اس لیے کہ تمام کا تمام برطانوی شاہی خاندان فری میسن سیکرٹ سوسائٹی کا رکن ہے اور یہی وہ سیکرٹ سوسائٹی ہے جو سود اور سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے دنیا کے سرد گرم تک رسائی حاصل کر چکی ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بینکوں پر ان کا ہولڈ ہے۔ دنیا پر مسلط سرمایہ دارانہ اور سودی نظام کی بدولت پوری دنیا کے حکمران' چاہے وہ جمہوری ہوں یا آمر' ان کا ہر جائز و ناجائز حکم ماننے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا یہ قوتیں اپنے دجالی ایجنڈے کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ ان کے راستے میں اگر کوئی رکاوٹ ہے تو صرف نظامِ خلافت ہے۔ لہٰذا یہ گروپ اپنی پروردہ سیکریٹ ایجنسیوں کے ذریعے جہاں پوری دنیا میں دہشت گردی کے واقعات کروا کر اسلام اور نظامِ خلافت کو بدنام کر رہا ہے' وہاں حکمرانوں کو مجبور کر کے پوری دنیا میں ایسی قانون سازیاں بھی کروا رہا ہے تاکہ نظامِ خلافت کی آواز سر نہ اُٹھا سکے۔

لہٰذا یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مسلمان جب تک نظام خلافت کے لیے متحرک اور متحد نہیں ہو جاتے وہ عالمی سامراجی قوتوں کے چنگل سے قطعی آزاد نہیں ہو سکتے۔ عالمی سامراجی قوتیں کہیں السیسی' مشرف اور بشار الاسد جیسے ڈکٹیٹروں کے ذریعے اور کہیں نام نہاد جمہوری حکمرانوں کے ذریعے عالم اسلام پر مسلط رہیں گی اور ان کے ذریعے اسلام مخالف قانون سازیاں ہوتی رہیں گی۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے ایک طرف تھر میں بچے بھوکے مرتے رہیں گے اور دوسری طرف آف شور کمپنیاں بنتی رہیں گی۔ لہٰذا مسلمانوں کی نجات نہ رائیونڈ دھرنے میں ہے نہ روز روز کے حکومت مخالف مظاہروں میں' بلکہ حقیقی آزادی اور نجات کا راستہ صرف اور صرف اس میں ہے کہ مسلمان مکاتب فکر مل کر صرف نظام مصطفیٰ ﷺ کے قیام کے لیے تحریک چلائیں۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو کبھی ایک بل کے خلاف مظاہرہ کریں گے تو کبھی دوسرے بل کے خلاف' مگر سرمایہ دار اپنی مکر کی چالوں سے ان کو فریب دیتے رہیں گے اور عالمی دجالی ایجنڈے کو آگے بڑھاتے رہیں گے۔

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الفُرقَان

تمہیدی کلمات

سورۃ النور کے اختتام کے ساتھ ہی مکّی مدنی سورتوں کا تیسرا گروپ ختم ہوا۔ یہ گروپ چودہ مکّی (سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک) اور ایک مدنی سورت (سورۃ النور) پر مشتمل تھا۔ اب سورۃ الفرقان سے مکی مدنی سورتوں کا چوتھا گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس گروپ میں سورۃ الفرقان تا سورۃ السجدۃ آٹھ مکی سورتیں ہیں‘ جبکہ آخر میں ایک مدنی سورت (سورۃ الاحزاب) ہے۔ گویا ان دونوں گروپس کی ترتیب میں یہ خوبصورت مشابہت پائی جاتی ہے کہ ان دونوں کے آخر میں ایک ایک مدنی سورت ہے یعنی سورۃ النُّور اور سورۃ الاحزاب۔ معنوی اعتبار سے ان دونوں مدنی سورتوں کا آپس میں جوڑے کا تعلق بھی ہے۔

سورۃ الفرقان سے شروع ہونے والا یہ گروپ مکی مدنی سورتوں کی تقسیم کے حوالے سے چوتھا‘ جبکہ صرف مکی سورتوں کے اعتبار سے تیسرا گروپ ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ پہلے گروپ میں صرف سورۃ الفاتحہ مکی سورت ہے‘ جو اصولی طور پر مکی اور مدنی تقسیم سے بالا ہے۔ اس طرح مکی سورتوں کا پہلا گروپ گویا سورۃ الانعام سے شروع ہوتا ہے اور اس گروپ میں صرف دو مکی سورتیں ہیں‘ یعنی سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف۔ دوسرا گروپ سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک چودہ مکی سورتوں پر مشتمل ہے‘ جبکہ سورۃ الفرقان سے شروع ہونے والے اس تیسرے گروپ میں سورۃ السجدۃ تک آٹھ مکّی سورتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی سورت یعنی سورۃ الفرقان کے علاوہ باقی سب کا آغاز حروفِ مقطّعات سے ہوتا ہے۔ سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص کا آغاز طٰسٓمٓ سے ہوتا ہے‘ جبکہ ان کے درمیان میں سورۃ النمل ہے جو طٰسٓ سے شروع ہوتی ہے۔ باقی چاروں سورتیں (سورۃ العنکبوت‘ سورۃ الروم‘ سورۂ لقمان اور سورۃ السجدۃ) الٓمٓ سے

شروع ہوتی ہیں۔ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ سورۃ الفرقان سے شروع ہونے والی مکی سورتیں اگرچہ مختلف گروپس میں تقسیم ہیں‘ لیکن ان سب کا مرکزی مضمون توحید ہے۔

آیات ۱ تا ۹

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ ۝ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

آیت ۱ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ﴾ ’’بڑی بابرکت ہے وہ ہستی جس نے الفرقان نازل فرمایا اپنے بندے پر‘‘

یہ تیسری سورت ہے جس کے مطلع (پہلی آیت) میں محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ’’عبد‘‘ کی نسبت سے آیا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی دو سورتیں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ .....﴾۔ اس کے بعد سورۃ الکہف کا آغاز اس طرح ہوا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ .....﴾۔

’’الفرقان‘‘ سے مراد حق و باطل میں امتیاز کر دینے والی کتاب یعنی قرآن حکیم ہے۔

﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴾ ''تاکہ وہ ہو تمام جہان والوں کے لیے خبردار کرنے والا۔''

یعنی اس قرآن کے ذریعے سے حضورﷺ کی رسالت تا قیامِ قیامت جاری و ساری رہے گی۔ جس تک یہ قرآن پہنچ گیا' اس تک گویا آپؐ کا انذار پہنچ گیا۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ﴾ ''اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں خبردار کردوں تمہیں اس کے ذریعے سے اور اُس کو بھی جس تک یہ پہنچ جائے''۔ چنانچہ آپﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قرآن کے پیغام کو پھیلانا اور اس کے ذریعے سے انذار کے سلسلے کو تا قیامِ قیامت جاری و ساری رکھنا اُمت کی ذمہ داری ہے۔

آیت ۲ ﴿ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''وہ ہستی جس کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی''

﴿وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ ''اور جس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا' اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے حکومت (کے اختیارات) میں''

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝﴾ ''اور اُسی نے ہر شے کو پیدا کیا اور پھر اس کے لیے ایک اندازہ مقررہ کیا۔''

یہ آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت سے بہت مشابہ ہے۔

آیت ۳ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ ''اور انہوں نے اُس کے سوا ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کچھ بھی تخلیق نہیں کرتے' بلکہ وہ خود مخلوق ہیں''

﴿وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝﴾ ''اور وہ اختیار نہیں رکھتے خود اپنے بارے میں بھی کسی نقصان یا نفع کا' اور نہ ہی انہیں اختیار ہے موت کا' نہ زندگی کا اور نہ جی اٹھنے کا۔''

آیت ۴ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ڔ﴾ ''اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بس ایک مَن گھڑت چیز ہے' جس کو اس شخص نے خود گھڑ لیا ہے اور اس کی مدد کی ہے اس پر کچھ اور لوگوں نے۔''

قرآن مجید میں فراہم کردہ معلومات اور تفصیلات کو دیکھتے ہوئے مشرکینِ مکّہ یہ سمجھتے تھے کہ کوئی بھی اکیلا آدمی ایسا کلام مرتب نہیں کرسکتا۔ چنانچہ وہ حضورﷺ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ آپؐ کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی ہیں جو خفیہ طور پر اس کتاب کی تصنیف میں آپؐ کی مدد کر رہے ہیں۔ گویا آپؐ نے اس کام کے لیے ایک ادارۂ تحریر تشکیل دے رکھا ہے۔

﴿فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝﴾ ''یہ لوگ ظلم اور جھوٹ پر کمربستہ ہو گئے ہیں۔''

یعنی ایسی باتیں کر کے یہ لوگ یقینی طور پر افترا اور ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

آیت ۵ ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا﴾ ''اور کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کے قصے ہیں جو اس نے کسی سے لکھوا لیے ہیں''

كَتَبَ يَكْتُبُ: لکھنا۔ اس سے اِكْتَتَبَ باب افتعال ہے' یعنی کسی سے لکھوا لینا۔

﴿فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝﴾ ''پھر یہ املا کرائی جاتی ہیں اس کو صبح و شام۔''

ان کے پیچھے خفیہ طور پر جو لوگ یہ قصے کہانیاں گھڑ رہے ہیں وہ صبح شام ان سے ملتے ہیں اور اپنی گھڑی ہوئی باتیں انہیں لکھوا دیتے ہیں۔ پھر وہی باتیں یہ ہمیں سنا کر دھونس جماتے ہیں کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔

آیت ۶ ﴿قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اس کو اُس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی ہوئی چیز کو جانتا ہے۔''

﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ ''یقیناً وہ بہت بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۷ ﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے!''

کہ ایک ایسا شخص اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہو سکتا ہے جس کو کھانے کی حاجت بھی ہو اور وہ عام انسانوں کی طرح بازاروں میں خرید و فروخت بھی کرتا پھرتا ہو۔

﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝﴾ ''کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ کہ وہ اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا ہوتا؟''

ہاں اگر یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو

ہماری آنکھوں کے سامنے پرواز کرتے ہوئے نازل ہوتا‘ ان کے رسول ہونے کی گواہی دیتا اور پھر یہ جدھر بھی جاتے‘ وہ فرشتہ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے ہٹو بچو کا نعرہ لگاتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلتا اور نہ ماننے والوں کو دھمکاتا!

آیت ۸ ﴿اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ﴾ ’’یا اُتارا جاتا اس پر کوئی خزانہ یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا‘ جس میں سے یہ کھاتا پیتا۔‘‘

اور کچھ نہیں تو ان کے لیے زر و جواہر کا کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا‘ یا پھر معجزانہ طور پر اس ’’وادیٔ غیر ذی زرع‘‘ میں پھلوں سے لدا ہوا ایک باغ ہی ان کے لیے وجود میں آ جاتا اور یہ اس باغ کے پھل کھاتے ہوئے ہمیں نظر آتے۔ اس باغ سے یہ بافراغت روزی حاصل کرتے۔ یہ مشرکینِ مکّہ کا وہی اعتراض ہے جس کا ذکر اس سے پہلے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی آ چکا ہے۔

﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸﴾ ’’اور ان ظالموں نے تو یہ تک کہا کہ تم لوگ صرف ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔‘‘

کہ یہ جو کہتے ہیں کہ مجھ پر فرشتہ نازل ہوتا ہے ان کے اس دعوے میں کوئی سچائی نہیں۔ یہ سب جادو اور آسیب کا اثر ہے۔

آیت ۹ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹﴾ ’’دیکھئے! یہ آپؐ کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کر رہے ہیں‘ تو یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں‘ اب یہ سیدھے رستے پر نہیں آ سکتے۔‘‘

یہ لوگ ایک ضد پر اڑ گئے ہیں‘ لہٰذا اب ان کے راہِ راست پر آنے کا کوئی امکان نہیں۔

ان الفاظ کو پڑھتے ہوئے یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ یہ سورت مکی دور کے درمیانی چار سالوں میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ مکی سورتوں کی ترتیب نزولی اور ترتیب مصحف کے بارے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ مکی دور کے ابتدائی چار سال کے دوران میں نازل ہونے والی سورتیں مصحف کی ترتیب میں ساتویں یعنی آخری منزل میں شامل کی گئی ہیں۔ (آخری منزل میں کچھ مدنی سورتیں بھی شامل ہیں اور اس اعتبار سے اس منزل کی مکی مدنی سورتوں کو دو گروپس میں تقسیم کیا گیا ہے۔) آخری چار سال میں نازل شدہ سورتوں کو مصحف کے پہلے حصے میں رکھا گیا ہے۔ ان میں سورۃ الانعام‘ سورۃ الاعراف‘ اور سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک کل

سولہ سورتیں شامل ہیں۔ البتہ زیر مطالعہ سورت یعنی سورۃ الفرقان سے شروع ہونے والے گروپ اور اس کے بعد والے گروپ کی سورتیں مکی دور کے درمیانی چار سالوں میں نازل ہوئی ہیں اور مصحف کے اندر بھی انہیں درمیان میں رکھا گیا ہے۔

آیات ۱۰ تا ۲۰

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝۱۲ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝۱۳ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝۱۶ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝۱۷ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝۱۸ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝۱۹ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۰ ع

آیت ۱۰ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ﴾ ’’بڑی ہی بابرکت ہے وہ ہستی جو اگر چاہے تو آپؐ کے لیے ان سے کہیں بہتر چیزیں بنا دے‘‘

یہ لوگ تو آپؐ پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی طرف سے بڑی دُور کی کوڑی لاتے ہیں اور اپنے فہم و شعور کے مطابق مختلف چیزوں کے نام گنواتے ہیں کہ آپؐ کو فلاں آسائش میسّر ہونی چاہیے اور فلاں چیز آپؐ کے تصرف میں ہونی چاہیے۔ ان بے چاروں کو ہماری قدرت کا

اندازہ ہی نہیں۔ ہم اگر چاہیں تو ان کی تجویز کردہ چیزوں سے کہیں بہتر ایسی چیزیں آپؐ کے لیے پیدا کر دیں جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہوں۔

﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩﴾ ''ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپؐ کے لیے محلات تعمیر کر دے۔''

یہ لوگ تو ایک باغ کی بات کر رہے ہیں۔ ہم آپؐ کے لیے باغات کے ان گنت سلسلے اور بے شمار محلات بنا سکتے ہیں۔

آیت ۱۱ ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ⑪﴾ ''اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلا دیا ہے' اور جو قیامت کو جھٹلاتا ہے اُس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا ⑫﴾ ''وہ جب دور سے ان کو دیکھے گی تو وہ سنیں گے اس کے جوش اور اس کی پھنکار کو۔''

جہنم جب دور سے ہی ایسے مجرموں کی صورت میں اپنے شکار کو آتے دیکھے گی تو غضبناک ہو کر جوش مارے گی اور اس کے دھاڑنے اور پھنکارنے کی خوفناک آوازوں کو مجرم لوگ بہت دور سے سن سکیں گے۔

آیت ۱۳ ﴿وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ⑬﴾ ''اور جب وہ پھینک دیے جائیں گے اس کی ایک تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے' تو اُس وقت وہ موت کو پکاریں گے۔''

اس وقت وہ دعا کریں گے کہ انہیں موت آ جائے۔ شعور کی زندگی کا قصہ تمام ہو اور انہیں نسیاً منسیاً کر دیا جائے۔

آیت ۱۴ ﴿لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ⑭﴾ ''(تب ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو!''

اب تم موت کو پکارتے رہو' اس کے لیے مسلسل دعائیں مانگتے رہو' مگر تمہاری ان دعاؤں سے تمہیں موت آئے گی نہیں۔ اب تو تمہیں مسلسل زندہ رہنا اور عذاب کی تکلیف کو جھیلنا ہوگا۔ اس عذاب کی شدت میں نہ تو کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی موت آ کر تمہیں

اس سے چھٹکارا دلائے گی۔

آیت ۱۵ ﴿قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ﴾ ''آپؐ کہیے کہ کیا یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کی وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقی بندوں سے؟''

﴿كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِیْرًا ⑮﴾ ''ان کے لیے وہ ہوگی بدلہ اور ان کے لوٹنے کی جگہ۔''

وہ ان کے اعمال کا بدلہ اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی۔

آیت ۱۶ ﴿لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ﴾ ''ان کے لیے اس میں ہر وہ شے ہوگی جو وہ چاہیں گے' وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

﴿كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯﴾ ''یہ آپ کے رب کے ذمہ ایک واجب الادا وعدہ ہے۔''

اس وعدہ کے ایفا کی آپ کے رب پر حتمی ذمہ داری ہے۔ اس کے حوالے سے سورۂ آل عمران کی یہ دعا بھی ذہن میں تازہ کر لیجیے: ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ⑲﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو نے اپنے رسولوںؑ کے ذریعے ہم سے جو وعدے کیے ہیں وہ پورے فرما اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا' بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا''۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے ان وعدوں کو پورا فرمائے گا اور یہ اس کی بے پایاں رحمت کا اظہار ہے کہ وہ ان وعدوں کو اپنی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور جس دن وہ اِن کو اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان سب کو جمع کرے گا''

جن جن ہستیوں کے ناموں پر مشرکین نے بُت بنا رکھے تھے یا جن کو وہ براہِ راست اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے' چاہے وہ فرشتے ہوں' اولیاء اللہ ہوں یا انبیاء ہوں' اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا:

﴿فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ⑰﴾ ''اور فرمائے گا: کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا تھا؟ یا وہ خود ہی راستے سے بھٹک گئے تھے؟''

آیت ۱۸ ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ ''وہ کہیں گے: تو پاک ہے، ہمارے لیے تو یہ روا ہی نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا کسی کو اپنا ولی بناتے''

اللہ اور اہلِ ایمان کے درمیان ولایت باہمی کا مضبوط رشتہ قائم ہے۔ اللہ اہل ایمان کا ولی ہے اور اہلِ ایمان اللہ کے ولی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۷ میں اس رشتے کا ذکر یوں فرمایا گیا: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ ''اللہ ولی ہے مؤمنین کا' وہ انہیں اندھیروں سے نکالتا ہے نور کی طرف''۔ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کا ذکر اس طرح کرتے ہیں: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''آگاہ رہو! یقیناً جو اللہ کے ولی ہیں نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔ چنانچہ اگر وہ سچے معبود ہوتے تو ضرور اپنے بندوں کے ساتھ ولایت کا رشتہ قائم کیے ہوتے' لیکن وہ تو پوچھنے پر صاف انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا ولی تو اللہ ہے۔ ہم اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ ولایت کا رشتہ کیسے استوار کر سکتے تھے!

﴿وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ﴾ ''لیکن (اے پروردگار!) تُو نے انہیں اور ان کے آباء و اَجداد کو دنیا کا ساز و سامان دیا''

ان کو دنیا میں مال و دولت اور حیثیت و وجاہت سے بہرہ مند کیا اور پشت در پشت خوشحالی اور فارغ البالی عطا کیے رکھی۔

﴿حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا﴾ ''یہاں تک کہ وہ یاددہانی کو بھول گئے۔ اور یہ تباہ ہونے والے لوگ تھے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو مخاطب کر کے فرمائیں گے:

آیت ۱۹ ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ﴾ ''تو انہوں نے جھٹلا دیا تمہاری ان باتوں کو'' کہ جن ہستیوں کو تم لوگ اپنے معبود اور ولی مانتے تھے انہوں نے تو تمہارے دعووں کو رد کر دیا۔

﴿فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ﴾ ''تو اب نہ تمہارے بس میں ہے (عذاب کو) لوٹانا اور نہ ہی کوئی مدد۔''

﴿وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا﴾ ''اور جو کوئی تم میں سے ظلم کا

مرتکب ہوا ہے ہم اسے چکھائیں اب بہت بڑا عذاب۔''

آیت ۲۰ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ﴾ ''اور آپؐ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔''

﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ﴾ ''اور ہم نے تمہارے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے۔''

﴿اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۰﴾ ''(اے مسلمانو!) کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپؐ کا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

اس مصلحت کو سمجھ لینے کے بعد اب تمہارے لیے صبر و استقامت کی روش ناگزیر ہے۔

آیات ۲۱ تا ۳۴

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝۲۱ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝۲۲ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ
فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝۲۳ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ
مَقِيْلًا ۝۲۴ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝۲۵ اَلْمُلْكُ
يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝۲۶ وَيَوْمَ يَعَضُّ
الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝۲۷ يٰوَيْلَتٰى
لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝۲۸ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝۲۹ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا
هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝۳۰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ
وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝۳۱ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ
جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝۳۲ وَلَا يَاْتُوْنَكَ

بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۭ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

آیت ۲۱ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ﴾ ''اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ہماری ملاقات کے امیدوار نہیں ہیں کہ کیوں نہیں اتارے جاتے ہم پر فرشتے؟''

﴿اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ﴾ ''یا ہم خود اپنے ربّ کو دیکھیں!''

اللہ کے حضور حاضری پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی طبیعتوں میں سرکشی اور لاپرواہی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایمان کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے جواب میں وہ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر اللہ نے ہمیں کوئی پیغام بھیجنا ہی تھا تو اپنے فرشتوں کے ذریعے بھجوا تا یا وہ خود ہمارے سامنے آ جاتا اور ہم اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیتے۔ یا یہ کہ اللہ کی طرف سے ہمیں کوئی ایسا معجزہ دکھایا جاتا جس سے ہم پر واضح ہو جاتا کہ محمد (ﷺ) واقعی اللہ کے رسولؐ ہیں۔ ان کے ایسے مطالبات کا ذکر مکّی سورتوں میں بار بار کیا گیا ہے۔

﴿لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾﴾ ''انہوں نے اپنے آپ میں بہت زیادہ تکبر کیا ہے اور وہ بہت بڑی سرکشی کے مرتکب ہوئے ہیں۔''

ان کے یہ مطالبات ان کے استکبار کا ثبوت اور ان کی سرکشی کی دلیل ہیں۔ گویا وہ خود کو اس لائق سمجھتے ہیں کہ ان پر فرشتوں کا نزول ہو اور اللہ خود اُن کے روبرو ان سے ہم کلام ہو۔

آیت ۲۲ ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰۗىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾ ''جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس دن مجرموں کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہوگی''

جس دن انہیں فرشتے نظر آئیں گے وہ دراصل قیامت کا دن ہوگا۔ اُس دن اللہ تعالیٰ بھی نزول فرمائے گا اور غیب کے سارے پردے بھی اٹھا دیے جائیں گے۔ وہ دن مجرموں کے لیے کڑے احتساب کا دن ہوگا۔ تب ان کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا اور انہیں کہیں سے بھی کوئی اچھی خبر نہیں مل پائے گی۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٢٢﴾﴾ ''اور وہ کہیں گے کہ کوئی روک حائل ہو جائے۔''

اس وقت وہ دہائی دے رہے ہوں گے کہ کسی طرح سے انہیں بچایا جائے اور قیامت کے عذاب کو ان پر مسلط ہونے سے روکا جائے۔ کاش! ان کے اور اس عذاب کے مابین کوئی رکاوٹ حائل ہو جائے!

آیت ۲۳ ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾﴾ ''اور ہم آگے بڑھیں گے ان کے ہر عمل کی طرف جو انہوں نے کیا ہوگا اور کر دیں گے اسے اڑتا ہوا غبار۔''

یہ بہت عبرتناک منظر کی تصویر ہے۔ یہ دراصل ایسی نیکیوں کا ذکر ہے جن کی بنیاد ایمانِ حقیقی پر نہیں رکھی گئی تھی۔ آخرت میں ایسے اعمال کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی فضول اور قابل حقارت چیز کی سی ہوگی جسے کوئی دیکھتے ہی فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر ہوا میں اچھال دے۔ یہ ان دنیا پرست اور ریاکار لوگوں کے انجام کا نقشہ ہے جو ظاہر کی نیکیوں کے انبار لے کر میدان محشر میں آئیں گے۔ دنیا میں انہوں نے خیراتیں بانٹی تھیں، یتیم خانے کھولے تھے، ہسپتال بنائے تھے، مسجدیں تعمیر کرائی تھیں، مدارس کی سرپرستی کی تھی، حج و عمرے کیے تھے، مگر ان اعمال کو سرانجام دیتے ہوئے اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کے اجر و ثواب کو کہیں بھی مدِّنظر نہیں رکھا گیا تھا۔ کہیں عزت و شہرت حاصل کرنے کا جذبہ نیکی کا محرک بنا تھا تو کہیں پارسائی و پرہیز گاری کا سکّہ جمانے کی خواہش نے عبادات کا معمول اپنایا تھا۔ کبھی الیکشن جیتنے کی منصوبہ بندی نے خدمتِ خلق کا لبادہ اوڑھا تھا تو کبھی کاروباری ساکھ کو بہتر بنانے کے لالچ نے متقیانہ روپ دھارا تھا۔ غرض ہر نیکی کے پیچھے کوئی نہ کوئی دُنیوی مفاد کارفرما تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو علیمٌ بذاتِ الصّدور ہے، اس کے نزدیک ایسی کسی نیکی کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں۔ چنانچہ ایسے بدقسمت لوگوں کی نیکیوں کے انبار اور اعمالِ صالحہ کے پہاڑ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو انہیں گرد و غبار کے ذرّات کی طرح تحلیل کر دیا جائے گا۔

یہ مضمون یہاں تیسری بار آیا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں ایک تمثیل کے ذریعے ایسے اعمال کی بے بضاعتی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٨﴾﴾ ''مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ (ایسی ہے) کہ ان کے اعمال ہوں راکھ کی مانند، جس پر زوردار ہوا چلے آندھی کے دن۔ انہیں کچھ قدرت

نہیں ہوگی ان (اعمال) میں سے کسی پر بھی جوانہوں نے کمائے ہوں گے۔ یہی تو ہے دور کی گمراہی''۔ پھر سورۃ النُّور میں بغیر ایمان کی نیکیوں کی حقیقت ایک دوسری تمثیل میں یوں واضح کی گئی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے سراب کسی چٹیل میدان میں' پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے' یہاں تک کہ وہ اس کے پاس آیا تو اس نے اسے کچھ نہ پایا' البتہ اس نے اس کے پاس اللہ کو پایا' تو اُس نے پورا پورا چکا دیا اسے اس کا حساب۔ اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

آیت ۲۴ ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾﴾ ''جنت والے اُس روز بہت اچھے ٹھکانوں میں ہوں گے اور ان کے قیلولہ کرنے کی جگہ بھی بہت ہی اچھی ہوگی۔''

آیت ۲۵ ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾﴾ ''اور جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے فوج در فوج۔''

آیت ۲۶ ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ﴾ ''اُس دن حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہوگی۔''

بادشاہی اور حکمرانی تو آج بھی اللہ ہی کی ہے' لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آزمائش کے لیے حقیقت کو مختلف پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ آج بظاہر کئی صاحبانِ اختیار و اقتدار نظر آتے ہیں' لیکن اُس دن ہر طرح کا اختیار صرف اس بادشاہِ حقیقی کے پاس ہی ہوگا۔

﴿وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾﴾ ''اور وہ دن کافروں پر بہت کٹھن ہوگا۔''

آیت ۲۷ ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ ''اور جس دن ظالم (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا''

عَضَّ یَعُضُّ کے معنی دانتوں سے پکڑنا یا کاٹنا کے ہیں۔ سورۃ النور کی آیت ۵۵ کے ضمن میں جو حدیث بیان ہوئی ہے اس میں مُلْکًا عَاضًّا کا لفظ اسی مادے سے مشتق ہے' یعنی کاٹ کھانے والی ملوکیت۔ اس دن ہر گنہگار اور مجرم شخص حسرت و یاس کی تصویر بنا جھنجھلاہٹ اور

پچھتاوے میں اپنے ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹے گا۔

﴿يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾﴾ ''کہے گا: کاش! میں نے رسولؐ کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا!''

حسرت سے کہے گا کہ کاش میں نے رسولؐ کا ساتھ دیا ہوتا' ان کا اتباع کیا ہوتا۔ ان کے ساتھیوں میں شامل ہو گیا ہوتا!

آیت ۲۸ ﴿يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾﴾ ''ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا!''

کہ میری زندگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا تھا کہ میرے دل پر رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی سچائی منکشف ہونا شروع ہو گئی تھی' لیکن میرے فلاں دوست نے مجھے ورغلا کر پھر اس رستے سے بھٹکا دیا۔ کاش میں نے ایسے شخص کی دوستی اختیار نہ کی ہوتی!

آیت ۲۹ ﴿لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ﴾ ''اُس نے مجھے گمراہ کر کے 'ذکر' سے برگشتہ کر دیا اس کے بعد جبکہ وہ میرے پاس پہنچ گیا تھا۔''

ذکر کے پہنچ جانے سے مراد ایک تو یہ ہے کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے پوری بات سنا دی تھی اور دوسرے یہ کہ میری زندگی کے فلاں لمحے میں پیغامِ حق میرے دل کے تاروں کو چھیڑنے لگا تھا اور اس کی حقانیت میرے دل کی گہرائیوں میں اترنے لگی تھی۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿وَّقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾﴾ کہ اے نبی ﷺ! ان سے ایسی بات کہیے جو ان کی روح کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ چنانچہ مذکورہ شخص اپنی ایسی ہی کیفیت کا اعتراف کرے گا کہ اس نصیحت' یاد دہانی اور ہدایت کا ابلاغ میرے دل تک ہو چکا تھا' لیکن افسوس کہ میرے ساتھی نے مجھے پھر سے گمراہ کر دیا۔

﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾﴾ ''اور شیطان تو انسان کو آخر دغا دینے والا ہے۔''

شیطان انسان کے ساتھ بڑا ہی بے وفائی کرنے والا اور آخر کار اسے اکیلا چھوڑ جانے والا ہے۔

آیت ۳۰ ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾﴾

''اور رسولؐ نے کہا (یا رسول کہے گا): اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز بنا دیا۔''

تاویلِ خاص کے مطابق حضورﷺ کی یہ شکایت قریشِ مکّہ کے بارے میں ہے کہ اے میرے پروردگار! میں نے تیرا پیغام ان تک پہنچانے اور انہیں قرآن سنانے کی ہر امکانی کوشش کی ہے' لیکن یہ لوگ کسی طرح اسے سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں' جبکہ اس آیت کی تاویلِ عام یہ ہے کہ حضورﷺ کی یہ شکایت قیامت کے دن اپنی امت کے ان افراد کے خلاف ہوگی جو اس ''مہجوری'' کے مصداق ہیں' کہ ان لوگوں نے قرآن کو لائقِ التفات ہی نہ سمجھا۔ علامہ اقبال کے اس مصرعے میں اسی آیت کی تلمیح پائی جاتی ہے: ع ''خوار از مہجوریٔ قرآں شدی'' کہ اے مسلمان آج تو اگر ذلیل وخوار ہے تو اس کا سبب یہی ہے کہ تو نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بہت اہم اور قابلِ غور نکتہ یہ بھی ہے کہ قریشِ مکّہ نے تو اپنی خاص ضد اور ڈھٹائی میں قرآن کو اس موقف کے تحت ترک کیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے ہی نہیں اور محمد (ﷺ) نے خود اپنی طرف سے اسے گھڑ لیا ہے۔ لیکن آج اگر کوئی شخص کہے کہ میں قرآن پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے اللہ کا کلام مانتا ہوں' مگر عملی طور پر اس کا رویہ ایسا ہو کہ وہ قرآن کو لائقِ اعتناء نہ سمجھے' نہ اسے پڑھنا سیکھے' نہ کبھی اس کے پیغام کو جاننے کی کوشش کرے تو گویا اس کے حال یا عمل نے اس کے ایمان کے دعوے کی تکذیب کر دی۔ چنانچہ اس آیت کے حاشیے (ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ''آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا' اس میں تدبر نہ کرنا' اُس پر عمل نہ کرنا' اُس کی تلاوت نہ کرنا' اس کی تصحیح قراءت کی طرف توجہ نہ کرنا' اُس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا' یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجرانِ قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔''

مقامِ غور ہے کہ آج اگر ہم اپنی دنیا سنوارنے کے لیے انگریزی زبان میں تو مہارت حاصل کر لیں لیکن قرآن کا مفہوم سمجھنے کے لیے عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کی ضرورت تک محسوس نہ کریں' تو قرآن پر ہمارے ایمان کے دعوے اور اس کو اللہ کا کلام ماننے کی عملی حیثیت کیا رہ جائے گی؟ چنانچہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن کے حقوق کے بارے میں آگاہی حاصل کرے' اس سلسلے میں عملی تقاضوں کو سمجھے اور ان تقاضوں پر عمل کرنے کی حتی

المقدور کوشش کرتا رہے۔ اس موضوع پر میرا ایک نہایت جامع کتابچہ ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' دستیاب ہے۔ اس کا انگلش' عربی' فارسی اور ملایا زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قرآن کے حقوق کا ادراک حاصل کرنے کے لیے اس کتابچے کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

آیت ۳۱ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنا دیے مجرموں میں سے۔''

یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۲ میں بھی آ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی آزمائش کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی مخالفت کی بھٹی خوب گرم ہو' ان کے خلاف کشمکش اور تصادم کا ماحول بنے اور باطل کے مقابلے میں انہیں عملی طور پر میدانِ کارزار میں اترنا پڑے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو اور ایمان کے سچے دعوے دار نکھر کر سامنے آ جائیں۔ ورنہ اگر ٹھنڈی سڑک پر چہل قدمی کرتے ہوئے جنت تک پہنچنا ہو تو کوئی بھی اس سعادت میں پیچھے نہیں رہے گا۔ حضورﷺ کا فرمان ہے:

((حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ))(۱)

یعنی جہنم کو انسان کے مرغوباتِ نفس سے ڈھانپ دیا گیا ہے' جبکہ جنت کو ایسی چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے جو انسان کو ناپسند اور ناگوار ہیں۔

حق کے راستے پر چلتے ہوئے انسان کو طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں' مصائب جھیلنے پڑتے ہیں اور کٹھن آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس مضمون کو سورۃ البقرۃ' آیت ۱۵۵ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ ''اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی قدر خوف سے' بھوک سے اور جان و مال اور فصلوں کے نقصان سے''۔ مصیبتوں اور آزمائشوں کی اس چھلنی کے ذریعے اللہ اپنے ان بندوں کو چھانٹ کر الگ کر لیتا ہے جو جنت کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں اور پھر ان لوگوں سے جنت کا سودا کرتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ (التوبۃ: ۱۱۱) ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہلِ ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔''

(۱) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب حجبت النار بالشهوات۔ عن ابی ہریرۃؓ

﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝۳۱﴾ ''اور کافی ہے آپؐ کا رب ہدایت دینے والا اور مدد دینے والا۔''

جو شخص ہدایت کا طلب گار ہو اسے اللہ ہدایت بھی دیتا ہے اور پھر اس رستے پر چلانے کے لیے اس کی مدد بھی کرتا ہے۔

آیت ۳۲ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ﴾ ''اور ان کافروں نے یہ بھی کہا کہ اِس پر یہ قرآن پورے کا پورا ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتار دیا گیا؟''

قریشِ مکّہ کا قرآن پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر واقعی یہ اللہ کا کلام ہے تو پھر اکٹھا ایک ساتھ ہی نازل کیوں نہیں ہو جاتا؟ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری کی پوری تورات تختیوں پر لکھی ہوئی ایک ہی دفعہ دے دی گئی تھی۔ قرآن کو تھوڑا تھوڑا پیش کرنے سے مشرکین کو حضور ﷺ پر ایک شاعر کا گمان ہوتا تھا' کیونکہ شاعر لوگ بھی ایک دم سے اپنا پورا کلام پیش نہیں کر سکتے۔ وہ ایک ایک دو دو غزلیں یا نظمیں لکھتے رہتے ہیں اور مدت کے بعد جا کر کہیں ان کے دیوان مکمل ہوتے ہیں۔

﴿كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ ''اس طرح (اس لیے نازل کیا گیا ہے) تا کہ اس کے ذریعے سے ہم آپؐ کا دل مضبوط کریں''

اس کو ہم اچھی طرح آپؐ کے ذہن نشین کرتے رہیں اور اس پر آپؐ کا دل پوری طرح ٹھک جائے۔

﴿وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝۳۲﴾ ''اور (اسی لیے) ہم نے اسے تدریج و اہتمام کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔''

قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اور اہلِ ایمان کو ہر موقع محل کے مطابق بروقت راہنمائی ملتی رہے۔ اس کے علاوہ اس میں اہلِ ایمان کے لیے تسلی اور تسکین کا پہلو بھی تھا کہ اللہ ہمارے حالات کو دیکھ رہا ہے۔ مشکل حالات میں سابقہ قوموں کے حالات پڑھ کر ان کے دلوں کو سہارا ملتا تھا کہ جس طرح اللہ نے حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت صالح (علیہم السلام) کے ساتھیوں کی مدد کی تھی اور ان کے دشمنوں کو ملیا میٹ

کر دیا تھا اسی طرح وہ ہمیں بھی کامیاب کرے گا۔

آیت ۳۳ ﴿وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝۳۳﴾ ''اور یہ لوگ آپؐ کے پاس کوئی بھی اعتراض نہیں لائیں گے مگر یہ کہ ہم (اس کے جواب میں) آپؐ کے پاس حق اور اس کی بہترین وضاحت لے آئیں گے۔''

قرآن حکیم کو جزءًا جزءًا نازل کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ جب کبھی بھی مخالفین اور معترضین کی طرف سے کوئی اعتراض یا سوال اٹھایا جاتا ہے تو وحی کے ذریعے اس کا مبنی برحق اور مفصل جواب آپ ﷺ کو بتا دیا جاتا ہے۔

آیت ۳۴ ﴿اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۳۴﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جمع کیا جائے گا جہنم کی طرف ان کے مونہوں کے بَل' وہ بہت ہی بُرے مقام پر ہوں گے اور بہت بھٹکے ہوئے ہوں گے سیدھے راستے سے۔''

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اشاعتِ خاص: 65 روپے

اشاعتِ عام: 35 روپے

رحمتِ الٰہی کی وسعت اور توبہ کی فضیلت

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

۲۲/اگست ۲۰۰۸ء کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾﴾ (الزمر)

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾﴾ (النساء)

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ﴿۲۱﴾﴾ (الاحزاب)

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : ((قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

یَا ابْنَ آدَمَ ! اِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ وَرَجَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَا کَانَ مِنْکَ وَلَا اُبَالِیْ —— یَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ —— یَاابْنَ آدَمَ ! اِنَّکَ لَوْ اَتَیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِیْ لَا تُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَاَتَیْتُکَ بِقُرَابِھَا مَغْفِرَۃً)) (۱)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) سنن الترمذی، ابواب الدعوات، باب فی فضل التوبۃ والاستغفار.....

''اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امیدیں وابستہ رکھے گا تو میں تجھے معاف کرتا رہوں گا' چاہے تیرے اعمال جیسے بھی ہوئے' اور مجھے تیرے گناہوں کی کوئی پروا نہیں — اے ابن آدم! تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کردوں گا — اے ابن آدم! اگر تو اتنے گناہ لے کر آئے کہ روئے زمین بھر جائے تو میں تیری اتنی ہی مغفرت کردوں گا' بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔''

معزز سامعین کرام!

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے آج ہم امام یحییٰ بن شرف الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ کے شہرۂ آفاق مجموعہ احادیث ''اربعین'' کی آخری حدیث کا مطالعہ کرنے چلے ہیں۔

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بندے کا اعلیٰ ترین مقام یہ ہے کہ وہ ''**بین الخوف والرجاء**'' رہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب' اُس کی سزا اور اُس کی پکڑ کا خوف بھی اُس کے دل میں ہو اور ساتھ ہی اُس کی شانِ غفاری اور شانِ رحیمی سے اُمید بھی دل میں موجزن رہے۔

خوف اور رجاء بھی من جملہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں درمیانی راستہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے درمیان اتنا باریک فرق ہوتا ہے کہ اس کو محاورتاً یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک۔ انسان اِدھر بھی ہوسکتا ہے اور اُدھر بھی۔ یہی معاملہ درحقیقت خوف و رجاء کا ہے۔ دل اگر اللہ تعالیٰ کے خوف سے خالی ہوگیا تو صرف رجائیت رہ جائے گی' یا دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کا اتنا غلبہ ہوگیا کہ اُس کی شانِ رحیمی اور شانِ غفاری نظرانداز ہوگئی' تو ان دونوں صورتوں میں بربادی ہی بربادی ہے۔

رجائیت کے حوالے سے قرآن کی عظیم آیت

ابتداء میں' میں نے جو آیات تلاوت کی ہیں' ان میں سب سے پہلے تو وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام گناہوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ سورۃ الزمر کی بڑی اہم آیت ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾﴾

’’(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے‘ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے جانوں پر زیادتی کی ہے‘ اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوں۔ یقیناً اللہ تمام گناہ معاف کر دے گا۔ وہ تو بخشنے والا بھی ہے اور رحم فرمانے والا بھی۔‘‘

ظاہر بات ہے کہ گناہ اپنی ذات پر ظلم ہے‘ اس سے اللہ کا تو کچھ نہیں بگڑتا۔ گناہ کر کے انسان اپنا ہی مستقبل برباد کرتا ہے اور اپنی ہی شخصیت کو کجی کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہ کا ایک نتیجہ تو آخرت میں نکلے گا‘ لیکن اس کا ایک نتیجہ دنیا میں بھی نکلتا ہے کہ اس سے انسان کی شخصیت صحیح رخ کے بجائے غلط رخ پر پڑ جاتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام گناہوں کی معافی کی امید دلائی ہے۔ چنانچہ مغفرت کے ضمن میں یہ قرآن حکیم کی سب سے زیادہ امید افزا آیت ہے۔

قرآنِ مجید میں انذار کا رنگ غالب ہے!

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید تقویٰ‘ خوف‘ خشیت اور انذار کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ یوں کہیے کہ قرآن مجید میں انذار‘ تخویف اور خشیتِ الٰہی کا رنگ غالب ہے‘ لیکن اس کے ساتھ ساتھ رجاء اور اُمید کے پہلو کو بھی قرآن نے نمایاں کیا ہے۔ اگر آپ موازنہ کریں کہ کتنی بار انذار کا ذکر آیا ہے اور کتنی مرتبہ رجائیت کا‘ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ خوف اور انذار کا تذکرہ رجائیت کی نسبت زیادہ ہے اور اس کی دو بڑی وجوہات اور اسباب ہیں — ان اسباب کو سمجھنا بہت ضروری ہے‘ اس لیے کہ اس حوالے سے عیسائیوں نے قرآن‘ اسلام اور مسلمانوں پر اعتراض کیا ہے اور بظاہر ان کا اعتراض درست معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اور اسلام کی تعلیمات میں اللہ کے خوف پر زیادہ زور دیا گیا ہے‘ جبکہ انجیل میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں اللہ کی محبت کا وزن زیادہ ہے۔ یہ بات بہت حد تک صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تقاریر‘ خطبات اور مواعظ میں خوف اور انذار کا رنگ بھی اگرچہ موجود ہے‘ لیکن غالب محبت ہے۔ اب عیسائیوں کا

اعتراض یہ ہے کہ قرآن میں انذار کا پہلو کیوں غالب ہے؟

اس کے دو اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید اگرچہ ابدی کلام ہے اور اس کی تعلیمات بھی ابدی ہیں‘ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن مجید ایک خاص وقت‘ ایک خاص علاقے اور ایک خاص ماحول میں نازل ہوا ہے اور ایک خاص قوم اس کی مخاطب اوّل تھی۔ اس قوم کی کیفیت یہ تھی کہ نہ تو وہ کسی توحید سے واقف تھی‘ نہ کسی رسالت سے‘ نہ کسی شریعت اور آسمانی کتاب سے‘ بلکہ وہ ہر اعتبار سے اُمّی (اَن پڑھ) قوم تھی۔ مزید یہ کہ قوم کی اکثریت اخلاقی گراوٹ اور سیرت و کردار کی پستی کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ ایسی صورتِ حال میں انذار کا رنگ غالب ہونا لازم تھا تاکہ لوگ جاگ جائیں اور ہوش میں آئیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں انذار کے دل دہلا دینے والے انداز مذکور ہیں‘ مثلاً سورۃ الحاقہ اور سورۃ القارعہ کی ابتدائی آیات ملاحظہ ہوں:

﴿اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾﴾ (الحاقة)

﴿اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾﴾ (القارعة)

اور سورۃ النبا کا پُرجلال آغاز ملاحظہ ہو:

﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۲﴾ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۳﴾﴾

بقولِ حالی:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی!

چنانچہ قرآن اور اسلام میں انذار کا پہلو غالب ہونے کا ایک سبب تو اس وقت کے حالات اور معاشرے کی اخلاقی پستی تھی‘ جبکہ اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ محبت کے رمز آشنا بہت کم ہوتے ہیں اور عوام کی اکثریت کسی برے نتیجے کے پیشِ نظر ہی کسی کام سے باز آ سکتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں انذار کا پہلو غالب رکھا گیا ہے تاکہ لوگ عاقبت خراب ہونے کے ڈر سے گناہوں سے بچے رہیں۔ ورنہ محبت تو شاعری بن جاتی ہے۔ ذرا اندازہ کریں کہ آج کلِ عشق خداوندی کے دعوے تو بہت ہیں‘ لیکن عمل زیرو ہے۔

اسی طرح عشق رسول ﷺ کے دعوے بہت ہیں اور نعتوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں‘ لیکن عمل زیرو ہے! چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ رجائیت کے پہلو سے لوگوں کے غلط رُخ پر پڑ جانے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور عوام الناس کے اندر جو شے زیادہ ضروری ہے‘ وہ خوف و انذار ہے۔ جیسے سورۃ النازعات کی یہ آیت پہلے بھی ہمارے بیان میں آ چکی ہے: ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾﴾ (النازعات) ’’اور جو کوئی ڈرتا رہا اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے (کے خیال) سے اور اُس نے روکے رکھا اپنے نفس کو خواہشات سے‘‘۔ یعنی وہ شخص اس تصور سے ڈرتا رہا‘ کانپتا رہا‘ لرزتا رہا کہ ایک دن مجھے اپنے رب کے حضور میں پیش ہونا ہے اور اس ڈر سے اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکے رکھا اور نفس کے منہ زور گھوڑے کی لگام کھینچ کر رکھی۔

قرآن مجید‘ رجائیت اور محبت سے بھی لبریز ہے!

مندرجہ بالا دو وجوہات کی بنا پر قرآن مجید میں انذار‘ تخویف‘ تقویٰ اور خشیت کا رنگ غالب ہے‘ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن میں محبت کا پہلو بھی موجود ہے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ﴾ (آیت ۱۶۵) ’’اور جو لوگ واقعتاً صاحبِ ایمان ہوتے ہیں ان کی شدید ترین محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے‘‘۔ یہاں تو صرف اللہ سے محبت کی بات کی گئی‘ جبکہ سورۃ التوبہ میں زبانی کلامی محبت کی نفی کر دی گئی۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾

’’(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ‘ تمہارے بیٹے‘ تمہارے بھائی‘ تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)‘ تمہارے رشتہ دار اور وہ مال

جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں‘ اور وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خطرہ رہتا ہے‘ اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں‘ (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ‘ اُس کے رسول اور اُس کے رستے میں جہاد سے‘ تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔‘‘

یعنی حضور اکرم ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ واشگاف الفاظ میں ان سے کہہ دیجیے‘ انہیں کان کھول کر سنا دیجیے کہ اپنے مَن کے اندر جائزہ لے لو‘ اپنے دل میں ایک ترازو کھڑی کر لو —— ایک میزان تو قیامت کے دن قائم ہو گی لیکن ایک میزان آج اپنے اندر نصب کر کے جائزہ لے لو اور اپنی آٹھ محبتوں کو ایک پلڑے میں ڈالو اور دوسرے پلڑے میں اللہ‘ اُس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت ڈالو۔ پھر دیکھو کہ کون سا پلڑا بھاری ہے!

اگر تمہیں اپنے (۱) باپ‘ (۲) اپنے بھائی‘ (۳) اپنے بیٹے‘ (۴) اپنے زوج (یہ دونوں طرف جاتا ہے یعنی مرد کے لیے بیوی زوج ہے اور بیوی کے لیے شوہر زوج ہے)‘ (۵) تمہارے رشتہ دار یعنی تمہارا کنبہ قبیلہ‘ (۶) وہ مال جو تم نے بڑی محنت سے کمایا ہے‘ (۷) وہ کاروبار جو بڑی مشکل سے جمایا ہے اور تمہیں خوف رہتا ہے کہ اس میں مندہ نہ ہو جائے‘ (۸) تمہارے بنائے ہوئے محلات‘ جو بڑے چاؤ سے تم نے تعمیر کیے ہیں‘ بڑے اہتمام سے انہیں فرنش کیا ہے‘ ان کی تزئین و آرائش میں چہار دانگِ عالم سے قیمتی اور عمدہ چیزیں لا کر رکھی ہیں جو تمہیں بہت محبوب ہیں۔ اگر یہ آٹھ محبتیں ایک پلڑے میں ہو جائیں اور دوسرے میں تین محبتیں ہوں: (۱) اللہ کی محبت‘ (۲) اُس کے رسول ﷺ کی محبت‘ اور (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی محبت۔ اگر ان آٹھ چیزوں کی محبتوں میں سے کسی ایک یا سب محبتوں کا جذبہ اللہ‘ اُس کے رسول اور اُس کے راستے میں جہاد کی محبتوں کے جذبے کے مقابلے میں زیادہ ہے تو پھر اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو!

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے زبانی کلامی محبت تو محض شاعری بن جاتی ہے‘ لہٰذا اس محبت کا کوئی شاہد ہونا بھی ضروری ہے اور وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔ اگر اللہ کے

دین کو غالب کرنے کی جدوجہد ہے تو یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کا ثبوت ہے‘ اور اگر آپ باطل کے غلبے پر راضی ہوئے بیٹھے ہیں‘ باطل کے غلبے کے تحت تقویٰ کی اُمید لیے بیٹھے ہیں‘ بغیر اس کے کہ اس کے خلاف جِدّوجُہد ہو رہی ہو تو یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے (self deception) کے سوا کچھ نہیں۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝۹﴾ (البقرۃ) ’’یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور اہلِ ایمان کو‘ حالانکہ یہ نہیں دھوکہ دے رہے مگر صرف اپنے آپ کو اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں ہے۔‘‘

بین الخوف والرجاء کا رویہ مطلوب ہے!

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن میں تخویف اور تقویٰ کا رنگ غالب ہے‘ البتہ محبت کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے اور رجائیت کے پہلوؤں کو بھی تفصیل سے قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ آج جو حدیث ہمارے زیر مطالعہ ہے‘ اس میں بھی رجائیت کا پہلو نمایاں ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ انسانوں کے اندر بھی کچھ قنوطی قسم کے‘ یاسیت پسند (pessimists) لوگ ہوتے ہیں۔ جیسے کئی بار میں آپ کو سائیکالوجی کی اصطلاحات کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ انسان مزاج کے اعتبار سے دو قسم کے ہوتے ہیں: دروں بین (introverts) اور بیروں بیں (extroverts)۔ اسی طرح بعض لوگ قنوطیت پسند (pessimist) ہوتے ہیں اور بعض رجائیت پسند (optimist) اور ان دونوں کے درمیان عدل اور توازن بہت مشکل معاملہ ہے۔ جیسے دروں بین (introverts) اور بیروں بین (extroverts) کے درمیان دونوں خصوصیات کی حامل شخصیت (ambivert) بہت محال اور بہت مشکل ہے اور نوعِ انسانی میں صرف حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اس مقام پر پورا تمکن حاصل ہے‘ اسی طرح بین الخوف والرجاء ایک مشکل معاملہ ہے کہ انسان میں خوف بھی رہے اور امید بھی۔ اس حوالے سے چوٹی (climax) کا قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ آپؓ کہتے ہیں کہ اگر مجھے یہ بتا دیا جائے کہ تمام انسان جنت میں جائیں گے سوائے ایک کے‘ یعنی صرف

ایک شخص دوزخ میں جائے گا‘ تو مجھے خطرہ ہوگا کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں‘ اور اگر مجھے بتا دیا جائے کہ تمام انسان دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے‘ یعنی جنت میں جانے والا صرف ایک ہی شخص ہوگا تو مجھے پھر بھی امید ہوگی کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں۔ یہ زروۂ سنام ہے بین الخوف والرجاء کی کیفیت کا۔

اللہ اور قیامت سے اُمیدیں

’’رجاء‘‘ کا لفظ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے حوالے سے بار بار آیا ہے۔ حالانکہ غور کیا جائے تو قیامت کا معاملہ بہت زیادہ خوف آور اور خوف پیدا کرنے والا ہے‘ لیکن قرآن مجید میں اللہ کے ساتھ قیامت کو بھی رجاء میں بریکٹ کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب کی مشہور آیت ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ۝۲۱﴾ ’’اے مسلمانو! تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ کی شخصیت مبارکہ میں ایک بہت عمدہ (کامل‘ معتدل اور ہر اعتبار سے متناسب) نمونہ موجود ہے (اور اس کامل نمونہ سے استفادہ وہی کر سکے گا) جو (۱) اللہ (سے ملاقات) کی امید رکھتا ہو‘ (۲) آخرت کے حوالے سے بھی جس میں امید کا پہلو موجود ہو‘ اور (۳) کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہو‘‘۔ قیامت سے امید رکھنے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ جہاں بدکاروں کے لیے قیامت ڈرنے کی جگہ ہے تو ان کے مقابلے میں نیکوکاروں کے لیے یہ مرحلہ تو بڑی بشارت کا ہوگا۔ اس ضمن میں سورۃ الانشقاق کی یہ آیات بڑی اہم ہیں: ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝۸ وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹﴾ ’’پس جس کو داہنے ہاتھ میں کتاب دی جائے گی تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا‘ اور وہ واپس آئے گا (اس مقام سے یعنی کٹہرے سے) اپنے اہل کی طرف بہت خوش وخرم‘‘۔ گویا جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے لیے قربانیاں دیں‘ اللہ کے لیے محنتیں کیں تو ان کے لیے قیامت کا دن ایسے ہی ہے جیسے تنخواہ بانٹنے کا دن ہوتا ہے جس کا انسان شدت سے انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ نیکوکار لوگوں کے لیے قیامت کے حوالے سے بھی رجاء کا پہلو ہوتا

ہے کہ آج اللہ سے ملاقات ہوگی‘ آج اللہ کے سامنے پیشی ہوگی اور آج ہمیں انعامات سے نوازا جائے گا۔

قرآن حکیم میں یہ مضمون کئی دوسرے مقامات پر بھی بیان ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ الممتحنۃ میں فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ﴾ (آیت ۶) ’’تمہارے لیے یقیناً ان (کے طرزِ عمل) میں ایک بہت اچھا نمونہ ہے اُس کے لیے جو اللہ تعالیٰ (سے ملاقات) اور یومِ آخرت کی اُمید رکھتا ہو‘‘۔ سورۃ الکہف کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دیجیے کہ میں تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں‘ (بس فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے۔ پس جو بھی اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہے اسے نیک عمل کرنے چاہئیں اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔‘‘

سورۃ العنکبوت میں فرمایا گیا: ﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ﴾ (آیت ۵) ’’جو کوئی بھی اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہے وہ مطمئن رہے کہ اللہ کی ملاقات کا وقت آ کر رہے گا‘‘۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں‘ مصیبتیں جھیل رہے ہیں‘ تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں‘ وہ یہ سب اس امید میں کر رہے ہیں کہ ایک روز اللہ کے حضور میں حاضری ہوگی اور اللہ عزوجل ہمیں اپنی ان سرفروشیوں‘ جانفشانیوں اور قربانیوں کا اجر عطا فرمائے گا۔ شیطان وسوسہ اندازی کرتا رہے‘ لوگ کہتے رہیں کہ کس خیال میں پڑے ہوئے ہو‘ کس نے آخرت کو دیکھا ہے‘ مرنے کے بعد آج تک کسی نے آ کے کوئی خبر دی ہے‘ کس امید موہوم میں تم اپنے آپ کو ہلکان کر رہے ہو؟ پتا نہیں وہ دن آتا بھی ہے کہ نہیں آتا‘ اس لیے کہ آخرت تو ادھار کا سودا ہے‘ جبکہ دنیا نقد کا معاملہ ہے اور عام طور پر قاعدہ بھی یہی ہے کہ ’’نو نقد نہ تیرہ ادھار‘‘ یعنی تمہیں اگر کسی شے کے نو روپے نقد مل رہے ہیں تو وہ لے لو‘ تیرہ روپے میں ادھار کا سودا مت کرو! کیا پتا ادھار

ملے نہ ملے اور رقم پوری مر جائے۔ یہ وسوسہ شیطان پیدا کرتا ہے کہ پتا نہیں وہ دن آتا بھی ہے کہ نہیں آتا۔ تو زیر مطالعہ آیت میں اسی حوالے سے فرمایا کہ انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ وہ وقت معیّن آ کر رہے گا اور وہ اپنے رب کی ملاقات سے ضرور سرفراز ہوں گے۔

یہ مضمون سورۃ الزمر میں بھی آیا ہے: ﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ﴾ (آیت ۹) ’’بھلا وہ شخص جو بندگی کرنے والا ہے رات کی گھڑیوں میں‘ سجود و قیام کرتے ہوئے‘ وہ آخرت سے ڈرتا رہتا ہے‘ اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے!‘‘ پھر یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں بھی آیا ہے کہ یہ مشرکین جن ہستیوں کو پکارتے ہیں‘ یعنی انبیاء‘ صدیقین‘ اولیاء اللہ یا ملائکہ‘ وہ فی الواقع موجود ہیں اور ان کے وجود سے تو انکار نہیں ہے‘ باقی ان کے بارے میں جو کچھ انہوں نے عقائد یا تصورات گھڑ لیے ہیں‘ ان کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے‘ نہ عقل میں‘ نہ نقل میں اور نہ ہی وحی میں۔ فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾﴾ ’’وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے قرب کے متلاشی ہیں کہ ان میں سے کون (اُس کے) زیادہ قریب ہے اور وہ امیدوار ہیں اُس کی رحمت کے اور ڈرتے رہتے ہیں اُس کے عذاب سے۔ واقعتاً آپؐ کے رب کا عذاب چیز ہی ڈرنے کی ہے‘‘۔ جیسے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’کوئی شخص محض اپنے عمل کی بنیاد پر جنت میں داخل نہیں ہوگا‘‘۔ کسی صحابیؓ نے بڑی ہمت کر کے پوچھ لیا کہ کیا حضور ﷺ آپ بھی؟ فرمایا: ((وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ))(۱) ’’نہیں میں بھی نہیں‘ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل اور رحمت (کے دامن) میں ڈھانپ لے۔‘‘

اللہ عزوجل کی شانِ استغناء

بہرحال مطلوب یہی ہے کہ انسان ہر وقت خوف اور رجاء کے درمیان رہے — البتہ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی بایں طور بیان ہوئی ہے: ((اِنَّ رَحْمَتِيْ

(۱) صحيح البخاري‘ كتاب المرضى‘ باب تمنى المريض الموت۔

سَبَقَتْ غَضَبِیْ))(۱) ''میری رحمت میرے غضب پر غالب آ گئی ہے''۔اس کی شرح اصل میں آج کی ہمارے زیر مطالعہ حدیث میں ہے' جس میں اللہ کی ایک خاص شان بیان ہوئی ہے کہ وہ غنی ہے' بے نیاز ہے۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۴۷) ''(اے منافقو ذرا سوچو!) اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر اور ایمان کی روش اختیار کرو!'' اللہ تعالیٰ' معاذ اللہ' کوئی ایذا پسند (sadist) نہیں ہے کہ کسی کو تکلیف دے کر اسے خوشی ہوتی ہو بلکہ وہ تو الغنی ہے —— یہ لفظ قرآن مجید میں آٹھ مرتبہ آیا ہے۔ کہیں کہا گیا: غَنِیٌّ حَلِیْمٌ' کہیں غَنِیٌّ حَمِیْدٌ اور کہیں غَنِیٌّ کَرِیْمٌ۔ کہیں غَنِیًّا آیا ہے — ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے کہ اللہ غنی ہے اور اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس حوالے سے ایک حدیث ہم پڑھ چکے ہیں کہ اگر زمین اور آسمان کے تمام باسی' اوّلین بھی آخرین بھی' انسان بھی جن بھی' سب کے سب دنیا کے بدترین انسان جیسے بن جائیں تب بھی اللہ کی سلطنت میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور اگر تمام انسان' تمام جن' تمام اوّلین و آخرین' سب کے سب متقی ترین انسان جیسے بن جائیں تو اس سے بھی اللہ کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ یہ ہے اس کی شانِ استغناء۔

اللہ تعالیٰ کی اسی شان کے بارے میں سورۂ آل عمران میں آیا ہے:

﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴿۹۷﴾﴾

''اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ حج کریں اُس کے گھر کا' جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے سفر کی۔ اور جس نے کفر کیا تو (وہ جان لے کہ) اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے۔''

یعنی جو لوگ حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں تو گویا وہ ایک طرح کا کفر کر رہے ہیں' جبکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور اسے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ تم ضرور حج کے لیے جاؤ اور اس کے گھر کا طواف کرو۔

(۱) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب قول اللّٰہ تعالیٰ بل ھو قرآن مجید.....

زیر مطالعہ حدیث پر ایک نظر

زیر مطالعہ حدیث میں درحقیقت دو چیزوں کو بیان کیا گیا ہے' ایک ہے اللہ سے اُمید واثق رکھنا' اور ایک ہے اللہ کی شانِ استغناء!

حدیث کے راوی حضرت انس بن مالک ؓ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے خود سنا —— یہ انداز ایسا ہے جو بڑا یقینی ہو جاتا ہے کہ میں نے خود سنا' اور اگر ''عَنْ'' ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ بات کسی اور صحابی سے ان تک پہنچی ہو —— بہرحال یہ حدیث قدسی ہے جس کی تعریف (definition) کئی مرتبہ میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ اب ہم حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : یَا ابْنَ آدَمَ ! اِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ وَرَجَوْتَنِیْ)) ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امید باندھے رکھے گا'' ((غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَا کَانَ مِنْکَ وَلَا اُبَالِیْ)) ''میں تجھے معاف کرتا رہوں گا' چاہے تیرے اعمال جیسے بھی ہوئے' اور مجھے (تیرے گناہوں کی) کوئی پروا نہیں''۔ یعنی تو جتنے گناہوں کا انبار بھی لے کر میرے پاس آ جائے گا تو میں اُن سب کو معاف کر دوں گا' مگر اس کے لیے دو شرائط ہیں۔ پہلی شرط ہے ((اِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ)) کہ جب تک مجھے پکارتے رہو گے' مجھ سے دعائیں کرتے رہو گے' مجھ سے استغفار کرتے رہو گے' میری مغفرت طلب کرتے رہو گے۔ اور دوسری شرط یہ ہے: ((وَرَجَوْتَنِیْ)) کہ مجھ پر اُمید رکھو گے کہ اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے اور وہ مجھ پر رحم فرماتے ہوئے میرے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو خود فرماتا ہے کہ ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ؕ﴾ (الاعراف:۱۵۶) ''میری رحمت نے ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے''۔ چنانچہ جب تک مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے امید رکھو گے تو جو بھی کچھ تم نے خرابیاں یا گناہ کیے ہوں گے میں ان سب کو معاف کر دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ یہ ہے اللہ کی شانِ استغناء۔

آگے فرمایا: ((یَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِیْ

غَفَرْتُ لَكَ)) ''اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کر دوں گا''۔ آخری بات یہ فرمائی: ((یَاابْنَ آدَمَ ! اِنَّكَ لَوْ اَتَیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِیْ)) ''اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس اتنے گناہ لے کر آئے کہ روئے زمین بھر جائے اور پھر تو مجھ سے ملاقات کرے'' ((لَا تُشْرِكُ بِیْ شَیْئًا لَاَتَیْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً)) ''بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو تو میں تیری اتنی ہی مغفرت کر دوں گا''۔ گویا گناہوں کی مغفرت کے لیے شرطِ لازم ہے کہ بندے نے شرک نہ کیا ہو۔

یہ مضمون سورۃ النساء میں دو مرتبہ آیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾﴾

''یقیناً اللہ اس بات کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر جو کچھ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اس نے تو بہت بڑے گناہ کا افترا کیا۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۭ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۱۶﴾﴾

''اللہ ہرگز نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے' اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لیے چاہے گا۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ تو گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بھی بہت دور نکل گیا۔''

یعنی کسی صورت بھی عام معافی کا اعلان نہیں ہے' بلکہ معافی کے لیے بنیادی اور لازمی شرط یہ ہے کہ انسان اللہ ہی کو پکارتا رہا ہو اور اُس نے کسی اور کو نہ پکارا ہو۔ کہیں ''غوث الاعظم'' کو نہ پکارا ہو' کسی ولی کو نہ پکارا ہو' کسی نبی اور رسول کو نہ پکارا ہو' چنانچہ زیر مطالعہ حدیث کے آخر میں بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس زمین کے حجم جتنے گناہ لے کر آئے گا اس حال میں کہ تو نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں تیرے لیے زمین کے حجم جتنی ہی مغفرت لے کر آؤں گا۔

شرک اور اقسامِ شرک

اب غور کیجیے کہ اس حدیث کے اندر گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ عزوجل نے کتنی شرطیں رکھی ہیں: (۱) اگر تم مجھے پکارتے رہے' (۲) مجھ سے امید واثق رکھی' (۳) مجھ سے مغفرت چاہی' اور (۴) میرے ساتھ شرک نہ کیا' تو میں تمہارے سب گناہ بخش دوں گا۔ اس آخری شرط کے حوالے سے جان لیں کہ ''ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں'' کے مصداق یہ شرط بنیادی اور لازمی ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ شرک درحقیقت کتنا عظیم گناہ ہے' لیکن اس کی حقیقت کو سمجھنا آسان کام نہیں ہے۔ ع ''ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں'' کے مصداق آپ نے بت سامنے رکھ کر نہیں پوجا' لیکن اپنی خواہش نفس کو پوج لیا تو یہ بھی شرک ہے۔ پچھلی نشست میں ہم یہ آیات پڑھ چکے ہیں: ﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ﴾ (الفرقان:۴۳) ''(اے نبی ﷺ!) آپ نے غور کیا اس شخص کے حال پر جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے!'' کوئی بُت خانہ نہیں ہے' لیکن اندر کا بُت خانہ آباد ہے۔ لہٰذا شرک کی اقسام کیا ہیں اور شرک کی حقیقت کیا ہے' اس کا جاننا بہت ضروری ہے۔ ہمارے ہاں شرک اور توحید کی بحثوں کو بعض خاص نکات پر مرکوز کر دیا جاتا ہے مثلاً نور و بشر کا مسئلہ' علم غیب کا مسئلہ' قبر پرستی کا مسئلہ۔ ٹھیک ہے یہ چیزیں بھی اپنی جگہ پر اہم ہیں' لیکن جس نے آج کے دور کے شرک کو نہ پہچانا تو وہ تباہی کے دہانے پر ہے۔

ہمارے پچھلے علماء نے شرک کی جو اقسام بیان کی ہیں' وہ ان کے اپنے زمانے کے اعتبار سے تھیں۔ آج وہ شرک بھی ہو رہے ہیں۔ قبر پرستی بھی ہو رہی ہے' اولیاء پرستی بھی ہو رہی ہیں' سب کچھ ہو رہا ہے' لیکن آج کا اصل شرک انفرادی سطح پر نفس پرستی اور دولت پرستی ہے' جبکہ اجتماعی سطح پر حاکمیت انسانی آج کے دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔ اس لیے کہ حاکم تو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں اور تم نے انسانوں کو حاکم بنا دیا۔ کبھی حاکم ایک ہوتا تھا نمرود یا فرعون کی شکل میں' جبکہ آج جمہوریت میں تمام انسانوں کو نمرود بنا دیا گیا ہے۔ گویا وہ نجاست جوتنوں کے حساب سے ایک شخص کے سر پر رکھی ہوئی تھی' اسے جمہوریت

میں ماشہ ماشہ سب عوام کو بانٹ دیا گیا۔ اب نجاست تو نجاست ہی رہے گی‘ چاہے وہ تولہ ہو‘ ماشہ ہو‘ یا ٹن کے حساب سے ہو۔ پھر آج کے دور کا ایک بہت بڑا شرک مادہ پرستی (Materialism) بھی ہے کہ سارا توکّل‘ سارا اعتماد مادی وسائل پر ہے۔ اسی طرح وطن پرستی بھی شرک کے زمرے میں آتا ہے کہ اس دورِ جدید میں وطن کو ہی معبود بنا لیا گیا۔ علامہ اقبال نے اسے دورِ حاضر کا سب سے بڑا ’’بُت‘‘ قرار دیا ہے: ؎

اس دور میں مے اور ہے‘ جام اور ہے‘ جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے‘ وہ مذہب کا کفن ہے

چنانچہ فرمایا: ؎

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے!

’’جیۓ ہند‘‘ کیا ہے؟ یہی کہ وطن معبود ہے‘ محبوب ہے! آج قوم کی شیرازہ بندی وطن کی بنیاد پر ہو رہی ہے‘ حالانکہ قوم کی شیرازہ بندی ایمان کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ اقبال نے کہا تھا: ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بُو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم!

یعنی ہم افغان‘ ترک اور تاتاری نہیں ہیں‘ بلکہ ہم تو چمنستانِ اسلام کے شگوفے اور ایک شاخِ ایمان کے پھول ہیں۔ ان پھولوں کے مابین رنگ و بُو کی تمیز ہم پر حرام ہے‘ کہ ہمیں تو ایک ہی نئی بہار نے پروان چڑھایا ہے۔ لہٰذا شرک کی حقیقت اور شرک کی اقسام ـــــ شرک فی الذّات‘ شرک فی الصّفات‘ شرک فی الحقوق‘ شرک فی العبادت‘ شرک فی الدّعاء ـــــ کو سمجھنا بہت ضروری ہے تاکہ شرک سے بچا جا سکے۔

شرک کے موضوع پر میرے بہت سے خطابات ہیں اور اس اُمت کے لیے میرے بڑے ابتدائی تحفوں میں سے ایک ’’حقیقت و اقسامِ شرک‘‘ کے عنوان سے میری چھ گھنٹے کی تقریریں تھیں جو مسجد دارالسلام میں ہوئیں۔ چھ گھنٹے کی ان تقاریر کو پہلے صفحہ قرطاس پر اتار کر مرتب کیا گیا‘ پھر قسط وار ماہنامہ میثاق میں شائع کیا گیا اور اب انہیں کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ ہے۔☆ شرک کی حقیقت اور آج کے دور میں شرک کی اقسام کو سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ شرک کی حقیقت اور اقسام کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ شرک وہ شے ہے جو معاف نہیں ہوگی۔

رحمتِ خداوندی کا سب سے بڑا مظہر: توبہ

زیرِ مطالعہ حدیث کے ضمن میں اب آخری بات کی طرف آتے ہیں۔ قبل ازیں میں نے آپ کو اللہ عزوجل کے دو فرمان سنائے: ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ط﴾ ’’میری رحمت نے ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے‘‘ اور ((اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ)) ’’میری رحمت میرے غضب پر غالب آ گئی ہے‘‘۔ اب سوچیے کہ اس رحمتِ خداوندی کا سب سے بڑا مظہر کیا ہے؟ ایک سوال آپ اپنے آپ سے کیجیے اور پھر اس کا جواب تلاش کیجیے۔ حضور اکرم ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا کرتے تھے اور پھر خود ہی جواب دیتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپؐ نے پوچھا: ((اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟)) ’’کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟‘‘ اب صحابہؓ نے جواب دیا: اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَا دِرْھَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ ’’ہم تو اپنے

☆ اب یہ تقاریر ’’حقیقت و اقسامِ شرک‘‘ کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ (ادارہ)

درمیان مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار نہ ہو‘‘۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِیَامٍ وَزَکَاةٍ‘ وَیَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَکَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا‘ فَیُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ‘ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ))(۱)

’’قیامت کے دن میری اُمت کا مفلس وہ آدمی ہوگا کہ جو نماز‘ روزے‘ زکوٰۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا‘ لیکن اُس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی‘ کسی پر تہمت لگائی ہوگی‘ کسی کا مال کھایا ہوگا‘ کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا‘ تو ان سب کو اس آدمی کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی‘ اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دیے جائیں گے‘ پھر اس آدمی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔‘‘

اسی طرح قرآن مجید بھی پہلے سوال کرتا ہے اور پھر خود ہی اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ مثلاً سورۃ الصّف میں اہل ایمان سے ایک سوال کیا گیا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۱۰﴾ ’’اے ایمان کے دعوے دارو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کے بارے میں بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکارا دلا دے؟‘‘ پھر ساتھ ہی اس کا جواب بھی دے دیا گیا: ﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱﴾ ’’(وہ یہ کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسولؐ پر اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔‘‘

اسی طرح آپ بھی اپنے آپ سے سوال کیجیے کہ اللہ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر کیا ہے؟ —— اللہ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر ’’توبہ‘‘ ہے اور یہ وہ شے ہے جو عیسائیوں کو بہت بڑی ٹھوکر دے گئی‘ بایں طور کہ انہوں نے عقیدہ بنالیا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے ایک خطا ہوگئی تھی اور اس کے بعد جو بھی انسان اس دنیا میں آتا ہے وہ اس خطا کا

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب البر و الصلة و الآداب‘ باب تحریم الظلم۔

بوجھ لے کر آتا ہے۔ عیسائیوں کے اس تصور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان بنیادی طور پر گناہگار ہے۔ اب اس کا ازالہ کیسے ہو؟ تو اس کے لیے انہوں نے باطل پر باطل (ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ) کے مصداق یہ عقیدہ اخذ کیا کہ اللہ نے حضرت مسیحؑ کی صورت میں اپنا صلبی بیٹا دنیا میں بھیجا اور اسے لوگوں کی طرف سے کفارہ بنا کر (قربانی کے بکرے کی طرح) سولی پر چڑھوا دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ نقل کفر کفر نباشد۔ اس میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کو نہ جان سکے۔ سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں قرآن بتاتا ہے کہ ان سے خطا تو ہوئی تھی لیکن پھر انہوں معافی طلب کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝۳۷﴾ (البقرۃ) ’’پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے ربّ سے چند کلمات‘ تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی۔ یقیناً وہی تو ہے توبہ کا بہت قبول کرنے والا‘ بہت رحم فرمانے والا‘‘۔ اب کوئی بھی ابن آدم اپنے جدّامجد آدمؑ کے گناہ کا بوجھ لے کر اس دنیا میں نہیں آتا۔

توبہ کی فضیلت

توبہ کے موضوع پر اس سے پہلے بھی ہمارے ہاں کئی درس ہو چکے ہیں اور بہت سی احادیث کا میں حوالہ دے چکا ہوں۔☆ آج دو حدیثیں میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ پہلی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا)) ’’یقیناً ایک بندہ گناہ کرتا ہے‘‘۔ ((فَقَالَ: رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْلِیْ)) ’’پھر وہ کہتا ہے: اے پروردگار! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے‘ مجھے معاف فرما دے‘‘۔ ((فَقَالَ رَبُّهٗ)) ’’تو پروردگار کہتا ہے‘‘ ((أَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِهٖ)) ’’کیا میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک ربّ ہے جو گناہ معاف بھی کر سکتا ہے اور اس کی سزا بھی دے سکتا ہے؟‘‘ یعنی وہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پالنے والا ہے جو

☆ توبہ کی عظمت اور اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے دو خطابات پر مشتمل کتاب ’’توبہ کی عظمت اور اس کی تاثیر اور موجودہ دور میں کرنے کا اصل کام‘‘ ملاحظہ کیجیے! (ادارہ)

چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو اسے سزا دے دے۔ اس کے صرف اس جاننے کی بنیاد پر‘ اس کے اس علم اور اس کے اس ایمان کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ)) ’’میں نے اپنے بندے کو معاف کیا‘‘۔ ((ثُمَّ مَکَثَ مَا شَاءَ اللّٰہُ)) ’’پھر وقت گزرا جتنا کہ اللہ نے چاہا‘‘۔ ((ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا)) ’’پھر اس سے گناہ ہو گیا‘‘۔ ((فَقَالَ: رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْہُ)) ’’وہ پھر کہتا ہے: اے پروردگار! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے پس تو مجھے معاف فرما دے‘‘۔ ((فَقَالَ)) ’’(تو اس کا ربّ) فرماتا ہے‘‘ ((أَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِہٖ)) ’’کیا میرے بندے کو یہ معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کر سکتا ہے اور چاہے تو اس پر پکڑ بھی سکتا ہے (سزا بھی دے سکتا ہے)‘‘۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ)) ’’میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا‘‘۔ ((ثُمَّ مَکَثَ مَا شَاءَ اللّٰہُ)) ’’پھر ایک عرصہ گزرا جتنا کہ اللہ نے چاہا‘‘۔ ((ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا)) ’’پھر اس سے گناہ ہو گیا‘‘۔ ((قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ آخَرَ)) ’’اس نے کہا: پروردگار میں نے تو پھر ایک اور گناہ کر دیا‘‘ ((فَاغْفِرْہُ لِیْ)) ’’پس مجھے بخش دے‘‘۔ ((فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِہٖ)) ’’اللہ فرماتا ہے: کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے (جسے وہ پکار رہا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ اسے اختیار حاصل ہے کہ) چاہے تو بخش دے اور چاہے تو پکڑ لے‘‘۔ اللہ فرماتا ہے کہ اُس کے اِس علم‘ اس ایمان کی بنیاد پر میں نے اسے معاف کر دیا: ((غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثَلَاثًا ، فَلْیَعْمَلْ مَا شَاءَ))(۱) ’’میں نے اپنے بندے کو تینوں دفعہ معاف کر دیا۔ بس وہ اب جو چاہے کرے۔‘‘ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری اور شانِ استغناء‘ جس کے بارے میں زیر مطالعہ حدیث میں الفاظ آئے ہیں: فَلَا اُبَالِیْ ’’پس مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔‘‘

دوسری حدیث اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ مسلم شریف میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ بیان کیا:

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب التوحید‘ باب قول اللّٰہ تعالیٰ ﴿یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلَامَ اللّٰہِ﴾۔

((اَنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللّٰہِ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ لِفُلَانٍ ، وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ ذَاالَّذِیْ یَتَاَلَّی عَلَیَّ اَنْ لَا اَغْفِرَ لِفُلَانٍ؟ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَاَحْبَطْتُ عَمَلَکَ))(۱)

’’ایک شخص نے یہ کہا: اللہ کی قسم‘ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کون ہے جو میرے اوپر حاکم ہونے کا دعوے دار ہے (یعنی میری طرف سے حکم لگا رہا ہے) کہ میں فلاں شخص کو معاف نہیں کروں گا! اس کو تو میں نے معاف کر دیا اور اس شخص کے تمام اعمال میں نے ضائع کر دیے (یعنی اس شخص نے میرے بندے کو میری رحمت اور شانِ غفاری سے مایوس کیا تھا‘ اس لیے میں نے اس کے تمام اعمال ضائع کر دیے)۔‘‘

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شان غفاری کہ اللہ تعالیٰ انسان کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے‘ لیکن اس کے لیے زیر مطالعہ حدیث میں چند شرائط بھی بیان کی گئی ہیں جن پر عمل پیرا ہونا بہت ضروری ہے: (۱) اللہ سے دعا‘ (۲) اللہ سے استغفار‘ (۳) اللہ سے امید‘ اور (۴) شرک سے اجتناب۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ شرائط پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتoo

(مرتب: حافظ محمد زاہد‘ ادارتی معاون‘ شعبہ مطبوعات)

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب البر والصلة والآداب‘ باب النهی عن تقنیط الانسان من رحمة اللّٰہ تعالیٰ۔

بانی تنظیم اسلامی و مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے ۰۸-۲۰۰۷ء کے دوران اپنے خطاباتِ جمعہ میں امام یحییٰ بن شرف الدین النووی رحمہ اللہ کے شہرۂ آفاق مجموعہ احادیث ’’اربعین نوویؒ‘‘ کا سلسلہ وار مطالعہ کرایا تھا۔ اس سلسلہ کا ابتدائی خطاب ترتیب وتسوید کے بعد میثاق جنوری ۲۰۰۸ء میں شائع کیا گیا تھا اور پیش نظر خطاب اس سلسلہ کا آخری خطاب ہے۔ ان شاء اللہ العزیز‘ رمضان المبارک سے پہلے ان تمام خطابات کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

قرآنِ کریم کی اُصولی باتیں (۹)

پروفیسر ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

پچیسواں اصول:

﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيَاتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا۝﴾

''ہم نشانیوں کو صرف ڈرانے کی خاطر بھیجتے ہیں۔''

معاشروں اور امتوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے دستور کو سمجھنے میں اِس اصول سے راہنمائی لی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو آیات بھیجتا ہے اُن سے مراد کیا ہے' اِس کی وضاحت میں علماء تفسیر کی عبارتیں مختلف ہیں:

ایک مفسر کی رائے ہے کہ اس سے مراد وہ موت ہے جو کسی وباء یا مرض کی وجہ سے وبائی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ دوسرے مفسر کی رائے ہے کہ اس سے مراد رسولوں کے وہ معجزے ہیں جو اللہ تعالیٰ جھٹلانے والوں کو ڈرانے کی خاطر بھیجا کرتا ہے۔ تیسرے مفسر کی رائے ہے کہ اس سے مراد وہ سزائیں ہیں جو گناہوں سے ڈرانے کے لیے آتی ہیں۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ چاند یا سورج گرہن کی احادیث پر باب باندھتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ باب اس روایت کے بارے میں ہے جو خبر دے رہی ہے کہ چاند / سورج کا گرہن اللہ کی طرف سے بندوں کو ڈرانے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا۝۵۹﴾ (الاسراء) ''ہم نشانیوں کو صرف ڈرانے کی خاطر بھیجتے ہیں۔''

مذکورہ بالا مختلف الفاظ پر مشتمل عبارتوں سے پتا چلتا ہے کہ اِن کو کسی ایک شکل میں محصور کر دینا ممکن نہیں ہے۔ اور سلف صالحین رحمہم اللہ نے جو ذکر کیا ہے وہ ان آیات کی مثالیں ہیں' اُن کی مراد اِن آیات کو کسی ایک شکل میں محصور کرنے کی نہیں تھی۔ اس قسم کے مواقع پر جب

سلف صالحین تعبیر کرتے ہیں تو ان کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔

اہم ترین بات یہ ہے کہ یہاں پر ہر مؤمن مرد اور مؤمن عورت اس حکمت پر بہت زیادہ غور کرے جس کی خاطر یہ نشانیاں بھیجی جاتی ہیں' اور وہ ہے ڈرانا اور متنبہ کرنا' تاکہ ہر انسان ہر وقت اس ڈر اور خوف میں مبتلا رہے کہ کہیں یہ سزا اُس پر نہ آجائے۔

اس قرآنی اصول ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا۝﴾ ''ہم نشانیوں کو صرف ڈرانے کی خاطر بھیجتے ہیں''۔ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ: ''جس نشانی کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے لوگوں کو ڈراتا ہے' شاید کہ وہ عبرت حاصل کر لیں یا نصیحت پکڑ لیں یا گناہوں سے باز آجائیں۔ ہمیں پتا چلا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ میں زلزلہ آگیا تو آپؓ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں خبردار کر رہا ہے' لہٰذا تم اُسے راضی کر لو۔''

امام ابن شیبہؒ نے اپنی کتاب ''مصنف'' میں روایت کیا ہے کہ سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس قدر شدید زلزلہ آیا کہ چارپائیاں آپس میں ٹکرا گئیں' ادھر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز پڑھ رہے تھے اور انہیں احساس بھی نہ ہوا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''اگر زلزلہ دوبارہ آیا تو میں تمہیں چھوڑ کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

اس آیت کریمہ کے معنیٰ کی تفسیر میں سلف صالحین کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ آیاتِ ربانی بھیجنے کا سب سے بڑا سبب لوگوں کو ڈرانا ہوتا ہے اور ان گناہوں اور غلطیوں کے انجام سے خوف دلانا ہوتا ہے جو وہ کر رہے ہیں' تاکہ وہ اپنے اُس رب کی طرف پلٹ آئیں جس نے ان کی طرف یہ نشانیاں اور ڈرانے کی چیزیں بھیجی ہیں۔ اگر پھر بھی وہ نہ پلٹیں تو یہ دل کی سختی کی علامت ہے۔ (اللہ کی پناہ!)

اس آیتِ کریمہ میں بیان ہونے والا مفہوم قرآنی اصول کی خوب وضاحت کر رہا ہے اور یہ معنیٰ بہت ہی واضح ہے' لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے کہ کچھ رسالوں میں لکھنے والے یا بعض ٹی وی چینلز پر گفتگو کرنے والے حضرات قرآنی اصولوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان واضح شرعی مفاہیم کو بے وزن سمجھتے ہیں' اور اُن کی کوشش ہوتی ہے کہ اِن زلزلوں' سیلابوں' تیز آندھیوں اور اِس قسم کی بڑی بڑی نشانیوں کو محض مادّی اسباب سے جوڑ دیں' اور یہ بہت ہی بڑی غلطی ہے۔

ہم اس بات کا انکار نہیں کر سکتے کہ زمین میں زلزلہ کے بہت سارے معروف ارضیاتی (Geological) اسباب ہوا کرتے ہیں' سیلاب کے بھی اسباب ہوا کرتے ہیں' طوفانوں کے بھی اسباب ہیں' لیکن ایک سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ کس ذات نے زمین کو حکم دیا کہ اب تو حرکت میں آجا؟ اور کس ذات نے پانی کو اجازت دی کہ تو فلاں علاقے میں عام عادت سے زیادہ برس جا؟ اور کس نے ہواؤں کو حکم دیا کہ تم اس قدر شدید ہو جاؤ؟ کیا یہ حکم دینے والی ذات اللہ کی نہیں ہے؟ کیا جس ذات نے یہ آیات بھیجی ہیں وہ بندوں سے یہ نہیں چاہتا کہ بندے اپنے رب کے سامنے عاجزی کریں اور گڑگڑائیں اور اس کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کریں تاکہ وہ ذات ان سے ان پریشانیوں کو دور کر دے؟

ان لوگوں کو علم ہے یا نہیں' وہ ارادۃً ایسا کر رہے ہیں یا بے ارادہ ہو رہا ہے' یہ لوگ جو اِن آیات کی حقیقت کو معمولی سمجھتے ہیں' جو اس قسم کی بے روح مادّی تعبیریں کر رہے ہیں' وہ بخاری ومسلم میں بیان ہونے والی روایات کو کیا مقام دیں گے جن میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تیز آندھی چلتی تو نبی اکرم ﷺ فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اَرْسَلْتَ بِهِ ' وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اَرْسَلْتَ بِهِ (صحیح مسلم' ح : ۸۹۹)

''اے اللہ! میں اس کی بھلائی کا سوالی ہوں اور جو خیر اس میں ہے اس کا بھی سوالی ہوں اور اس کے ساتھ جو خیر تو بھیج رہا ہے اس کا بھی سوالی ہوں' اور اس کے شر سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں' اور جو شر اس کے اندر ہے اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس کے ساتھ جو شر تو بھیج رہا ہے اس سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

اور جب آسمان ابر آلود ہو جاتا' اس میں بادل ہوتے' بجلی کی گرج چمک ہوتی' یہ گمان ہوتا کہ بارش ہونے والی ہے' تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ بدل جاتا' آپ ﷺ بار بار گھر میں آتے جاتے' اِدھر اُدھر گھومتے۔ جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ ﷺ کا چہرہ کھل اُٹھتا۔ آپؐ کے چہرۂ انور پر یہ کیفیت بہت واضح ہوتی' تو میں پہچان جاتی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' میں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اے عائشہ! یہ صورت (عذاب کی) بھی ہو سکتی ہے جیسے قومِ عاد نے کہا تھا: ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ﴾ (الاحقاف: ۲۴) ''پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورتِ

بادل دیکھا اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے تو کہنے لگے یہ ابر ہمارے اوپر برسنے والا ہے۔''

قومِ نوح کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے حوالے سے یہ لوگ کیا جواب دیں گے؟

﴿مِمَّا خَطِيْٓـئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝۲۵﴾ (نوح)

''یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیے گئے اور جہنم میں پہنچا دیے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار انہوں نے نہ پایا۔''

بعض لوگوں کی طرف سے اعتراض:

کچھ ملکوں میں اُن ملکوں سے زیادہ گناہ ہوتے ہیں جن میں زلزلہ آیا' اور کچھ ملکوں میں ان ملکوں سے زیادہ فسق وفجور کے کام ہوتے ہیں جن میں طوفان آئے (پھر ایسا کیوں ہے؟) اصلاً تو اس قسم کے اعتراضات کرنا ہی صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت' اس کے کاموں' اُس کے فیصلوں اور اُس کی تقدیر پر اعتراض کرنے والی بات ہے۔ اس لیے کہ ہمارا رب جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ برحق ہوتا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے بارے میں کسی کو اختیار نہیں کہ وہ پوچھے۔ اس کے ہر کام میں اُس کی عظیم حکمت ہوتی ہے اور اُس کا علم بھی انتہائی کامل ہے' اور ان آزمائشوں کے پیچھے حکمتیں اور اسرار ہوتے ہیں۔ ہماری عقلیں تو ان کو سمجھ ہی نہیں سکتیں' کجا یہ کہ ان کی حقیقت تک پہنچ سکیں۔

چھبیسواں اصول:

﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾

''اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔''

اس قرآنی اصول کا لوگوں کی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے اور اس زمانے میں اس اصول کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے' اس لیے کہ خبروں کی اشاعت کے وسائل بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔

سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے بہت سارے عظیم آداب سکھائے ہیں' اسی ضمن میں قرآن کریم کا یہ اصول بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶﴾ (الحُجرات)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو' پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔''

اس آیت کی معروف سات قرآنی قراءتوں میں سے ایک قراءت میں یہ لفظ ''تَثَبَّتُوْا'' ہے' یعنی خبر کو ثابت کر لیا کرو۔ اس قراءت کو سامنے رکھیں تو معاملہ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ یہ آیت عام مسلمانوں کو حکم دے رہی ہے کہ جب کسی خبر کو سنو تو دو اعتبار سے اس کی تحقیق کر لیا کرو:

(۱) خبر کی سچائی کی تحقیق۔

(۲) اس خبر کی حقیقت تک رسائی۔

سوال: کیا ان دونوں باتوں میں فرق ہے؟

جواب: ہاں' اس لیے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خبر بذاتِ خود صحیح ہو' لیکن اس کی حقیقت کے بارے میں خبر نہ ہو۔ ہم اس بات کی وضاحت ایک واقعے کے ذریعے کر سکتے ہیں اور یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پیش آیا۔ نبی اکرم ﷺ مسجد سے نکلے کہ اپنی زوجہ محترمہ اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو گھر تک پہنچا سکیں' تو آپ کو دو صحابہ کرامؓ نے دیکھ لیا اور انہوں نے جلدی جلدی قدم بڑھا دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی چال چلتے رہو' یہ صفیہ ہیں''۔ اگر کوئی روایت بیان کرنے والا کہتا کہ میں نے دیکھا کہ رات کی تاریکی میں نبی اکرم ﷺ ایک عورت کے ساتھ جا رہے تھے تو اُس کی بات صحیح تھی' لیکن اُسے حقیقت حال کا پتا نہیں تھا۔ اسی کو تحقیق کہتے ہیں۔

ایک اور مثال دیکھ لیں جس سے ہمیں روزانہ واسطہ پڑتا رہتا ہے' کہ لوگ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف جا رہے ہیں اور ایک آدمی اپنے گھر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ نماز کھڑی ہونے کے بعد فلاں شخص اپنے گھر چلا گیا تو بات بظاہر صحیح ہے' لیکن کیا اس کے سبب کی تحقیق کی گئی؟ اعتراض کرنے والے کو کیا خبر' ممکن ہے بندہ ابھی ابھی سفر سے آیا ہو اور اُس نے راستے میں ہی جمع تقدیم کر کے نماز ادا کر لی ہو' لہٰذا اِس وقت اُس پر نماز فرض ہی نہ ہو' یا اس کے علاوہ بھی اس کے پاس کوئی عذر ہو!

ایک دوسری مثال پر غور کریں جس سے ہمیں رمضان میں واسطہ پڑتا ہے۔ کسی نے دیکھا

کہ ایک آدمی رمضان میں دن کے وقت کچھ کھا پی رہا ہے۔ اگر کوئی اس خبر کو بیان کرے کہ اُس نے فلاں شخص کو دن میں کھاتے پیتے دیکھا ہے' تو بیان کرنے والا سچا ہے' لیکن کیا اُس نے معاملے کی تحقیق کر لی ہے؟ ممکن ہے کہ بندہ مسافر ہو اور اُس نے دن کے ابتدائی حصے میں روزہ کھول لیا ہو اور پھر اسی حال پر قائم ہو۔ واضح رہے کہ اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مریض ہو' ممکن ہے کہ اس نے بھول کر کھا لیا ہو' یا اور بھی کوئی عذر ہو سکتا ہے۔

اس قرآنی اصول کے کچھ اور بھی مطالب ہیں:

(۱) جن خبروں کو پھیلانے سے خطرات جنم لیتے ہوں اُن خبروں کو پھیلانے میں جلد بازی کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کو برا کہا ہے' فرمایا:

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ (النساء:۸۳)

''یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوف ناک خبر سن پاتے ہیں اُسے لے کر پھیلا دیتے ہیں' حالانکہ اگر یہ اُسے رسول (ﷺ) اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اَصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آ جائے جو اُن کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اَخذ کر سکیں۔''

جب یہ بات واضح ہو کر سامنے آ گئی تو سخت افسوس ناک بات ہے کہ خود مسلمانوں کی بڑی اکثریت اس قرآنی اصول کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہوتی ہے' جس میں فرمایا گیا: ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ ''اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔''

جدید وسائلِ اطلاعات ونشریات' جیسے موبائل' انٹرنیٹ اور دوسرے ذرائع کی وجہ سے اس معاملے کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ ان وسائل کے ذریعے سب سے زیادہ جھوٹ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں بولا جاتا ہے۔ کتنے ہی جھوٹے قصے اور احادیث آپ ﷺ کی طرف منسوب کیے گئے' بلکہ اس قسم کے جھوٹ بھی آپ ﷺ کے نام سے بولے گئے جو کسی دوسرے انسان کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہیں' کجا یہ کہ انہیں آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی طرف منسوب کیا جائے۔

اور اس کے قریب ترین خطرناک بات یہ ہے کہ علماء کرام کی بات کو نقل کرنے میں جلد

بازی کی جائے‘ جبکہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں‘ اور عام مسلمان اُن کی بات کا انتظار کرتے رہتے ہیں‘ اُن کے اقوال کو تلاش کرتے ہیں۔ اس طرح کی غیر تسلی بخش خبر پھیلانا حرام ہے اور قطعاً جائز نہیں۔ جب ہمیں حکم ہے کہ عام خبروں کی تحقیق کر لیا کریں‘ تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ورثاء (علماء) سے متعلق خبروں کی تحقیق کرنا تو اور زیادہ ضروری ہے۔

اور یہی حکم ہوگا مسلمانوں کے حکمرانوں کی بات نقل کرنے کے بارے میں‘ اور معاشرے کے اُن بڑے لوگوں کی بات نقل کرنے کے بارے میں جن کی بات کا معاشرے میں کوئی وزن ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ معاملے کی اچھی طرح تحقیق و تفتیش کر لی جائے‘ اس سے پہلے کہ خبر پھیلانے والا خود شرمندہ ہو‘ اور اُس وقت شرمندہ ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

اور میاں بیوی کو بھی اس قرآنی اصول پر عمل کرنا چاہیے: ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ ”اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو“۔ نیز والدین کو اپنے بچوں کے بارے میں اور بچوں کو اپنے والدین کے بارے میں اس اصول پر عمل کرنا چاہیے۔

اس قرآنی اصول پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کتنے ہی گھرانے اجڑ گئے ہیں۔ (سبحان اللہ!) ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی پیغام (sms) میاں بیوی میں سے کسی کے موبائل پر آ گیا۔ پھر اگر وہ بیوی کے موبائل کا پیغام (میسج) تھا اور اس کو خاوند نے پڑھ لیا تو جھٹ سے اُس نے طلاق دے دی۔ خاوند نے میسج کی تحقیق کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ میسج غلطی سے آ گیا ہو یا کسی سازشی کی حرکت ہو‘ یا کسی اور وجہ سے یہاں پہنچ گیا ہو۔

یہی صورتِ حال اُس وقت بنتی ہے جب غیر مقصودی یا مذاق سے کوئی میسج خاوند کے موبائل پر آ جائے اور اسے بیوی دیکھ لے‘ نتیجتاً وہ اپنے خاوند پر خیانت (ناجائز تعلقات) کا الزام دھر دیتی ہے اور میسج کی تحقیق کرنے سے پہلے ہی طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے۔

جب آپ صحافت یا دیگر وسائل نشریات کے میدان میں داخل ہو کر دیکھیں تو اس قرآنی حکم کی دھجیاں اڑتی ہوئی دیکھ کر تعجب میں ڈوب جائیں گے۔ کتنی ہی بار تحقیقاتی کمیٹیاں بنائی گئیں کسی ایسی خبر کی وجہ سے جو یا تو سرے سے ہی غلط تھی یا اس میں اس قدر مبالغہ اور مرچ مسالہ تھا کہ اس نے قارئین یا ناظرین کو یہ باور کروایا کہ یہ معاملہ بہت بڑا اور خطرناک ہے‘ حالانکہ ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں۔

لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی قدر ہے کہ وہ اپنے

رب سے ڈرتا رہے اور اس قرآنی حکم پر عمل پیرا ہو‘ جس کی طرف اس قرآنی اصول نے ہماری راہنمائی کی ہے۔ فرمایا: ”فَتَبَيَّنُوْٓا“ چنانچہ معاملے کی تحقیق کر لیا کرو!

ستائیسواں اصول:

﴿وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ﴾

”اور جو بھی پاک ہو جائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاک ہوگا۔“

قرآن حکیم کے اس اصول کا بہت اونچا مقام ہے‘ کیونکہ اس کا بندے کی زندگی پر گہرا اثر ہے‘ اور اِس کا جسم کے اُس ٹکڑے (دل) کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے‘ جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس ٹکڑے کا ٹھیک ہونا سارے جسم کا ٹھیک ہونا ہے اور اس کی خرابی سارے جسم کی خرابی ہے۔

جب لفظ ”تزکیہ“ عمومی طور پر بولا جائے تو اس سے دو معنیٰ مراد لیے جاتے ہیں:

پہلا معنیٰ: دونوں قسم کی طہارت ہے‘ ظاہری اور معنوی۔ ظاہری طہارت سے مراد ہے مثلاً کپڑے کی میل کچیل سے پاکیزگی‘ اور معنوی طہارت سے مراد ہے مثلاً دل کی ایمان اور نیک اعمال کے ذریعے پاکیزگی۔ دوسرا معنیٰ: مراد ہوتا ہے اضافہ‘ یعنی جب مال میں اضافہ ہو تو اسے مال میں ”زکاۃ“ سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ دونوں لغوی معنیٰ شریعت کا منشا ہیں۔ اس لیے کہ ”تزکیۂ نفس“ سے یہ دونوں معنیٰ مراد ہیں‘ یعنی بندے کو ظاہری اور معنوی ہر طرح کی میل کچیل اور نجاست سے پاک کرنا اور اسے قابلِ تعریف اور فاضل اخلاق کے ذریعے ترقی دینا اور مزین کرنا۔ چنانچہ مؤمن کو حکم ہے کہ اپنے آپ کو بُرے اخلاق مثلاً ریاکاری‘ تکبر‘ جھوٹ‘ ملاوٹ‘ دھوکہ بازی‘ چکر بازی‘ نفاق اور اسی طرح کے دوسرے گھٹیا اخلاق سے محفوظ رکھے۔ اور یہ بھی حکم ہے کہ اچھے اخلاق مثلاً سچ‘ اخلاص‘ تواضع‘ نرم خوئی اور بندوں کے حق میں خیر خواہی جیسے اخلاق کو اپنائے‘ نیز دل کو کینہ‘ بغض اور حسد جیسے رذائل اخلاق سے پاک رکھے‘ کیونکہ دل کی پاکیزگی کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ انجام کار بھی اسی کو فائدہ پہنچے گا اور اس کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا۔

اسی معنی کو بیان کرنے کی خاطر قرآنِ کریم کی وہ آیات نازل ہوئی ہیں جن میں نفس کی پاکیزگی اور اسے سنوارنے کا حکم دیا گیا ہے‘ فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ

فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ (الاعلیٰ) ''بے شک اُس نے فلاح پالی جو پاک ہوگیا' اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا''۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾﴾ (الشمس) ''اور جس نے اسے (اپنے نفس کو) پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگیا۔ اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا''۔ اور جس اصول پر ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِهٖ ؕ﴾ (فاطر:۱۸) ''اور جو بھی پاک ہوجائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاک ہوگا''۔ جو شخص بھی قرآنِ کریم کی آیات پر غور کرے گا اُسے معلوم ہوگا کہ قرآنِ کریم میں تزکیہ نفس کے موضوع کو بڑا خاص مقام دیا گیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں ایک جگہ پر سب سے زیادہ قسموں کی تعداد گیارہ ہے اور اُن سب کا موضوع تزکیہ نفس ہے۔ اور یہ بات ''سورۃ الشّمس'' کے شروع میں آئی ہے۔

قرنِ کریم کا یہ اصول: ﴿وَمَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِهٖ﴾ (فاطر:۱۸) ''اور جو بھی پاک ہوجائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاک ہوگا'' کھلے لفظوں میں کہہ رہا ہے کہ تزکیہ کا سب سے پہلا فائدہ خود تزکیہ کرنے والے کو ہے اور اس آیت کے مفہوم میں ایک دھمکی بھی شامل ہے کہ اے بندۂ خدا! اگر تو تزکیہ نہیں کرتا تو تزکیہ نہ کرنے کا سب سے بڑا نقصان بھی تجھی کو ہوگا۔

اگرچہ اس اصول کا مخاطب ہر وہ مسلمان ہے جو اِسے سن رہا ہے' البتہ ایک عالم و واعظ اور طالب علم کا حصہ زیادہ اور بڑا ہے' اس لیے کہ لوگوں کی نظریں جلد ہی اُس کی طرف اٹھ جاتی ہیں' اسے غلطی کرنے کا نقصان زیادہ ہوتا ہے' اور اس پر تنقید بھی سخت ہوتی ہے۔ واجب تو یہ ہے کہ عالم کی گفتگو اور خطاب سے پہلے اُس کی سیرت و کردار ہی لوگوں کو عمل کی دعوت دے۔

دین میں تزکیۂ نفس کے عظیم مقام کی وجہ سے جن ائمہ اور علماء نے عقائد کے موضوع پر لکھا ہے' انہوں نے مختلف عبارتوں کے ذریعے تزکیہ نفس پر بڑا زور دیا ہے۔ ائمۂ دین نے اس بات کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے' اس لیے کہ اعتقاد اور کردار کے درمیان بڑا گہرا رشتہ ہے' کیونکہ ظاہری کردار باطنی اعتقاد کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ظاہری کردار میں کسی قسم کا ٹیڑھ باطنی ایمان میں کمی کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ کردار اور اعتقاد آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لیے اخلاق و کردار کی بہت ساری باتیں ایمان کے شعبوں میں داخل ہیں۔

جب لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ تزکیہ نفس کا معاملہ آسان اور ہلکا ہے تو بہت ساری متضاد شکلیں سامنے آئیں اور علم و عمل میں دوری پیدا ہوگئی۔

اس قرآنی اصول پر گفتگو کرتے ہوئے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کا تزکیہ کیسے کریں؟ اس سوال کا جواب تو بہت طویل ہے' لیکن میں اختصار کے ساتھ تزکیۂ نفس کے اہم ذرائع کا ذکر کیے دیتا ہوں:

☆ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا اور اس کے ساتھ گہرا لگاؤ پیدا کرنا۔
☆ اہتمام کے ساتھ قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنا اور اس پر غور و فکر کرنا۔
☆ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔
☆ فرض نمازوں کی پابندی کرنا' نیز نمازِ تہجد کا اہتمام کرنا' خواہ تھوڑا ہی ہو سکے۔
☆ گاہے بگاہے اپنی ذات کا خود محاسبہ کرنا۔
☆ بندے کے دل میں آخرت کی یاد کا زندہ رہنا۔
☆ موت کو یاد رکھنا اور قبرستان کی زیارت کو جانا۔
☆ نیک لوگوں کی سیرت کا مطالعہ کرنا۔

دوسری طرف یہ بھی دھیان رہے کہ عقل مند وہ ہے جو اُن راستوں کو بند رکھتا ہے جہاں سے مذکورہ بالا وسائلِ اصلاح کے نتائج کو نقصان ہوتا ہو۔ اس لیے کہ دل کے مقام پر جا کر وسائلِ اصلاح اور وسائلِ فساد اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اُن کو علیحدہ علیحدہ رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ لہٰذا اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ انسان وسائلِ اصلاح کا اہتمام کرے' بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وسائلِ فساد سے بھی بچتا رہے' مثلاً: حرام چیزوں کی طرف دیکھنا' حرام مواد سننا' اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ باتیں تو دور کی بات ہے' غیر متعلقہ' لغو باتوں سے بھی اپنی زبان کو محفوظ رکھنا۔

(جاری ہے)

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

قومی یکجہتی میں مسجد و مدرسہ کا کردار

انجینئر مختار فاروقی ☆

[ایوانِ اقبال لاہور میں منعقدہ دو روزہ قومی کانفرنس بعنوان ''عصرِ حاضر کے چیلنجز اور علماء و مدرّسین کی ذمہ داریاں'' میں ۱۶ اپریل ۲۰۱۶ء کو پیش کیا گیا مقالہ]

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

صدر گرامی قدر و معزّز سامعین کرام

السَّلام علیکم ورحمة اللّٰہ

✿ ''عصرِ حاضر کے چیلنجز اور علماء و مدرّسین کی ذمہ داریاں'' کے عنوان سے اس دو روزہ قومی کانفرنس کے پہلے سیشن میں ''قومی یکجہتی میں مسجد و مدرسہ کا کردار'' کے موضوع پر میری گفتگو میں دو ناگزیر باتیں بطور تمہید عرض ہیں تاکہ میری گفتگو کو صحیح تناظر میں سمجھنے میں آپ حضرات کو سہولت ہو۔

✿ پہلی بات یہ ہے کہ 'قومی یکجہتی' کے الفاظ میں قومی سے مراد جنوبی ایشیا کے وہ مسلمان ہیں جنھوں نے آج سے پون صدی قبل 'دو قومی نظریہ' کی بنیاد پر اپنے لیے ایک علیحدہ تشخص کا نعرہ لگایا اور ملک پاکستان حاصل کیا۔ ہماری بدنصیبی کہ آج اس ملک کو لبرل اور سیکولر کہا جا رہا ہے۔ اسلام کے نزدیک اقلیتوں کے اپنے حقوق مُسلَّم ہیں جن کا انکار نہیں' تاہم قومی یکجہتی سے مراد مسلمانوں کے مختلف مسالک کے مابین یکجہتی اور ہم آہنگی ہے۔

یہی 'دو قومی نظریہ' ــــــ نظریہ پاکستان ہے اور اس ضمن میں ہمارے مابین کوئی اختلافِ رائے نہیں۔ ہمارے ملک کا ایک آئین ہے اور ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ آئین میں حکومتی انتظامیہ کا یہ فرض بتایا گیا ہے کہ ملک کی عظیم اکثریت مسلمان شہریوں کو

☆ مدیر ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ

اچھا مسلمان بنانے اور اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کا ماحول فراہم کرے۔ اس فرض کی ادائیگی میں انتظامیہ' مقنّنہ' عدلیہ اور فوج بھی شامل ہے۔ یہ ادارے آئین کے لحاظ سے ریاست کے ستون کہلاتے ہیں۔ عصر حاضر میں ریاستی علوم (state craft) میں میڈیا (media) کا بھی ایک اہم مقام ہے۔ مزید برآں پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے لہٰذا ہمارے لیے ایک 'نظریاتی نظامِ تعلیم' بھی ایک ناگزیر ریاستی ستون ہے۔

✿ دوسری تمہیدی بات یہ ہے کہ اس قومی کانفرنس کے عنوان (theme) اور موجودہ نشست کا موضوع ہمارے نظریاتی ملک پاکستان کے دو اہم ستونوں 'میڈیا' اور 'نظامِ تعلیم' کا ایک حصہ ہے۔

✿ 'مسجد' اسلام کی تاریخ میں رجالِ دین (صوفیاء و علماء) کا مرکز و محور رہا ہے۔ جہاں خانقاہ ہوگی وہ مسجد ہوگی اور جہاں مسجد ہوگی وہاں ایک مدرسہ ہوگا۔ مسجد اور مدرسہ کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ 'مسجد' مسلمان کے لیے اپنے ربّ اور خالق سے رابطے کا نشان ہے۔ گویا مسجد ایک ایسی جگہ ہے جہاں مسلمان عبادت کے لیے دن میں بار بار آتے ہیں اور یہاں مسلمان عوام کا رابطہ نظریاتی لوگوں سے ہوتا ہے اور نظریاتی تعلیم کے جانفزا لمحات کا قرب میسر آتا ہے۔

نظریاتی تعلیم کا ایک میدان تعلیمی ادارے ہیں اور دوسرا میدان وہ تربیتی مراکز ہیں جو خانقاہیں اور تصوف کے مراکز کہلاتے ہیں۔ اور یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ دورِ زوال اور انحطاط کو نظر انداز کر کے دیکھیں تو تاریخ اسلام میں اسلام کے لیے نظریاتی (یعنی مشنری) تربیت کا اہتمام کرنے والے اور غلبہ اسلام کے لیے حقیقی رہنما و فلسفی یہی 'صوفی' ہی ہیں۔ امام ابن القیم' امام غزالی' جلال الدین رومی وغیرہ (رحمہم اللہ علیہم) اسی آسمان کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں۔

✿ سامعین کرام! اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ قومی یکجہتی میں نظریاتی میڈیا اور نظریاتی نظامِ تعلیم کا بڑا اہم رول (role) ہے اور مسجد و مدرسہ ان دو اہم ریاستی ستونوں کے دو اہم ترین حصے ہیں۔

✿ نظریاتی میڈیا پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں مسجد کے میڈیائی کردار کی اہمیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ مسجد میں نمازوں میں حاضری سکونِ قلبی کا ذریعہ بھی ہے اور وہاں وعظ و نصیحت کی محافل کا اہتمام بھی ہوتا ہے اور بڑی مساجد میں نمازِ جمعہ کا اہتمام بھی ایک اہم دینی فریضہ کی تکمیل ہے' جہاں رجالِ دین علماء و صوفیاء منبر رسول (ﷺ) پر بیٹھ کر نظریاتی باتیں کرتے ہیں اور مسلمان

عوام وخواص آ کر وہاں سے فیض یاب ہو کر نئے ولولوں اور جذبوں کے ساتھ عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں اور یوں یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔

مدرسہ کی اہمیت بھی دینی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ ہے جہاں مسلمان بڑوں اور چھوٹوں (اکابر و اصاغر) کو دین سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ مدارس کا سلسلہ ناظرہ قرآن پاک پڑھنے سے لے کر درسِ نظامی کی تکمیل کے مراحل کو سموئے ہوئے ہے۔

گویا مسجد اور مدرسہ سے پاکستان کے استحکام کے لیے نظریاتی تعلیم کا اہتمام ہوتا ہے اور جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جب آغازِ اسلام میں اسلام کا سیاسی غلبہ تھا (یہ سیاسی غلبہ ۱۲۵۸ء میں سقوطِ بغداد کے ساتھ ایشیا و افریقہ میں اور ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے ساتھ یورپ میں ختم ہوگیا) تو یہ مساجد و مدارس نظریاتی حکومتوں کی سرپرستی میں نظریاتی تعلیم و تربیت کے فروغ کے مراکز تھے۔ بعد ازاں عثمانی سلطنت، صفوی سلطنت اور مغلیہ سلطنت کے دور میں بھی اسلام کے قرنِ اوّل کے آثار کافی حد تک باقی رہے۔ تاہم مسلمانوں کے نظریاتی زوال کے بعد یورپ میں صنعتی ترقی کے نتیجے میں یورپی اقوام نے عالمی سطح پر حکومت بنالی اور مسلمان محکوم ہوگئے۔

۞ اِس دورِ غلامی میں مسجد و مدرسہ بھی دیگر اداروں کی طرح انحطاط کا شکار ہوگئے اور مسجد و مدرسہ سے دین کی ہمہ گیر، آفاقی اور سیاسی، سماجی و معاشی عدل کے نظام کی آوازیں آنا معدوم ہوگئیں۔

۞ قیامِ پاکستان (۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ) کو قمری اعتبار سے ستر سال ہوگئے۔ اب غلامی کے آثار ختم ہو رہے ہیں اور دو قومی نظریہ کے فروغ اور اساسِ پاکستان کی آبیاری کے لیے مسجد و مدرسہ کو مرکزِ تعلیم و تربیت بنانے کی اہمیت کا وقت آ گیا ہے۔ مسجد و مدرسہ کی اہمیت کو اُجاگر کیا جا رہا ہے تو یہ بات بڑی خوش آئند ہے اور جسدِ ملّی میں زندگی کی علامت ہے۔

۞ تعمیر و استحکام پاکستان کے لیے ناگزیر قومی و ملّی یکجہتی کے فروغ کے لیے مسجد و مدرسہ کا کردار نہایت اہم ہے اور اس کے لیے اس قومی کانفرنس میں یقیناً سفارشات تیار ہوں گی۔ اگر اس پر عمل ہوا تو پاکستان کو ایک نظریاتی ریاست بنانے میں مسجد و مدرسہ یقیناً دوسرے اداروں سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

۞ ایک بات غور طلب ہے کہ مسجد و مدرسہ سے اُٹھنے والی نظریاتی صداؤں کو مؤثر بنانے کے

لیے ملک پاکستان میں میڈیا کے دوسرے اعضاء (organs) یعنی پریس، ٹی وی، ڈرامہ، ٹاک شوز پروگرام وغیرہ اور ضمناً ادیبوں، شاعروں، افسانہ نگاروں کو بھی 'نظریاتی' بنانا ہوگا اور تعلیم کے دیگر ذرائع (یعنی یونیورسٹیوں، کالجز، سکول جو سرکاری اور نجی سرپرستی میں مغربی نصاب کے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں) کو بھی منظّم کر کے لازماً ایک نظریاتی نظامِ تعلیم کے تحت لانا ہوگا۔

اگر ایسا ہوگیا تو وہ دن دُور نہیں جب پاکستان ایک کامیاب نظریاتی ریاست کے طور پر دنیا میں اُبھر کر ایک اسلامی فلاحی جمہوری ریاست کا رول ماڈل (role model) بنے گا۔

اور — اگر ہم مسجد و مدرسہ کے علاوہ تعلیمی اداروں اور میڈیا کے شعبوں کو نظریاتی نہ بنا سکے تو صرف مسجد و مدرسہ سے اُٹھنے والی نظریاتی صدائیں جدید یونیورسٹیوں کے سیکولر اَفکار اور آزاد میڈیا سے ٹکرائیں گی اور ایک تصادم کی شکل پیدا ہو جائے گی۔ اس تصادم کے آثار اِس وقت بھی ہمارے معاشرے میں ہیں مگر ذرا مدھم (low tone) ہیں۔ بروقت اقدامات نہ ہوئے تو موجودہ ملکی سیکولر اور لبرل نظامِ تعلیم اور سیکولر و لبرل، خدا بیزار اور وحی بیزار میڈیا مسجد و مدرسہ سے اُٹھنے والی نظریاتی آوازوں کو مغربی سرمائے کے زور پر دبا کر خاموش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

۞ آخری بات یہ ہے کہ یہ قومی کانفرنس انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اور انٹرنیشنل اقبال انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ اسلام آباد کے اشتراک سے ایوانِ اقبال لاہور میں منعقد ہو رہی ہے۔ یہ شہر لاہور اقبال کا شہر ہے اور یہاں سے پرندے کی اڑان میں اقبال منزل اور مزارِ اقبال زیادہ دُور نہیں ہیں۔

یہ سارے خوبصورت اور خوش قسمتی کے نشان بلاوجہ جمع نہیں ہوگئے۔ حالات کا جبر ہے اور تاریخ کا بہاؤ ہے کہ ہمیں پاکستان کو اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بنانے کے پروگرام میں فکرِ اقبال اور حکمتِ اقبال کو رہنما بنانا ہوگا۔ وہی اقبال جو مفکّرِ پاکستان بھی ہے اور معمارِ پاکستان قائداعظم کا مُرشد بھی۔ مزید برآں اقبال علیہ الرحمہ کا کلام ہمارے تمام مذہبی مسالک کے نزدیک بھی معتبر ہے اور جدید مغربی تعلیمی اداروں سے فیض یافتہ ہونے کی بنا پر جدید تعلیم یافتہ مسلمان نوجوان بھی اُن کے افکار سے متأثر ہیں۔

والسلام

❁❁❁

رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ انسان کا خالق اور مالک ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں ہر شخص کا نفع‘ نقصان‘ صحت‘ بیماری‘ امارت‘ غربت‘ زندگی اور موت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان کو کوئی حاجت پیش آجائے تو اُسی کے سامنے دعا گو اور عرض گزار ہوتا ہے۔ جب انسان ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز‘ نیاز منداور بے بس ہے تو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے خوف کھائے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنا سب سے بڑی سچائی ہے‘ کیونکہ اس کے سوا حقیقی نفع ونقصان کا کوئی مالک نہیں۔ چونکہ خوفِ خدا ایک سچا جذبہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس بندے سے خوش ہوتا ہے جو اُس کی گرفت سے خوف کھاتا اور اُس کی رضا چاہتا ہے۔ دنیا میں انسان پر گناہ کرنے کے ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب اسے گناہ سے باز رکھنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی‘ وہ گناہ کرنے پر پوری طرح قادر ہوتا ہے‘ وہ تنہا ہوتا ہے‘ اسے کوئی فردِ بشر دیکھ نہیں رہا ہوتا۔ اگر ایسے موقع پر وہ محض خوفِ خدا سے اس گناہ سے باز رہتا ہے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند آتا ہے اور وہ اس بندے کی طرف رحمت کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوفِ خدا کو چوٹی کی دانائی کہا گیا ہے۔

قیامت کے دن جب شدید تپش ہوگی اور انسان پسینے میں شرابور ہوگا تو اللہ تعالیٰ سات بندوں کو اس تپش سے محفوظ رکھے گا اور اپنے عرش کے سائے میں انہیں جگہ دے گا۔ ان سات خوش بخت لوگوں میں ایک وہ ہوگا جسے دنیا میں کسی حسین وجمیل اور اعلیٰ نسب عورت نے دعوتِ گناہ دی‘ مگر اللہ سے خوف کھاتے ہوئے وہ گناہ کے اس موقع سے بچ نکلا‘ اگرچہ اسے اس فعل سے باز رکھنے کی کوئی دوسری وجہ نہ تھی اور اس کا نفس اسے برائی پر مسلسل آمادہ کر رہا تھا۔ خدا کا یہ خوف اس قدر عظیم کام ہے کہ قیامت کے دن کی سخت تپش میں وہ عرش کے سائے میں ہوگا۔ (بحوالہ ریاض الصالحین)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں‘ اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً مکھی کے سر کے برابر ہوں‘ پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرے پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرے کو آتش دوزخ کے لیے حرام کر دے گا‘‘۔ (سنن ابن ماجہ) اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو بہہ نکلنا تبھی ہوگا جب اللہ کی قدرت کا گہرا احساس ہوگا اور بداعمالی پر اس کی گرفت کا یقین ہوگا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اُس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔‘‘ (رواہ البزار) جس طرح خوشی کا اثر چہرے پر رونق لے آتا ہے اور حزن وغم کی تاثیر یہ ہے کہ انسان کا چہرہ مرجھا جاتا ہے‘ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت اور گرفت کے احساس سے کبھی کبھی جہاں آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں وہاں جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کا یہ احساس گناہوں کو مٹانے کی بڑی تاثیر رکھتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے حکم دے گا کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا یا کسی موقع پر مجھ سے ڈرا اُس کو دوزخ سے نکال لو‘‘۔ (جامع ترمذی) اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جو لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے‘ ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے زندگی میں کبھی اللہ کا ذکر کیا یا خوفِ خدا سے متاثر ہوئے وہ بھی جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔ یوں خوفِ خدا کی کیفیت جہنم سے نکلنے کا ذریعہ بن جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے سات مرتبہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا‘ آپؐ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کفل نامی تھا‘ وہ کسی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت اس کے پاس آئی‘ اُس نے ساٹھ دینار اس عورت کو اُس شرط پر دیے کہ وہ اُس کی خواہش پوری کرے۔ جب اُس شخص نے اس عورت پر پورا قابو پا لیا تو وہ کانپنے لگی اور رو پڑی۔ کفل نے پوچھا: کیوں روتی ہے؟ کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ وہ بولی نہیں‘ لیکن یہ کام میں نے عمر بھر کبھی نہیں کیا تھا‘ مگر اب صرف اپنی احتیاج کی مجبوری سے

کرنا پڑ رہا ہے۔ کفل نے کہا: اچھا تو نے یہ کام کبھی نہیں کیا اور اب مجبوراً کر رہی ہے؟ (یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا) جا! یہ دینار میں نے تجھے یونہی بخشے۔ اور قسم کھائی کہ آج کے بعد کبھی خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ (اتفاقاً) اُسی شب اس کا انتقال ہو گیا۔ صبح کو اس کے دروازے پر یہ نوشتہ ملا کہ ''اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا''۔ (ترمذی) کفل گناہوں میں لتھڑا پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اُس پر خوفِ خدا طاری ہو گیا' اُس نے اپنی شدید خواہش کو یک دم ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے تائب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو بخش دیا۔ چونکہ وہ بدعمل مشہور تھا لہٰذا اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کا ذکر نفرت کے ساتھ کرتے کہ وہ بہت برا تھا' مگر اُس کے خوفِ خدا اور سچی توبہ کا یہ اثر ہوا کہ خالق کائنات نے اُسے دنیا کی رسوائی سے بھی بچا دیا کہ اس کی بخشش کا اعلان اس کے دروازے پر تحریر کر دیا۔ لوگ مان گئے کہ کفل نے مرنے سے پہلے ضرور کوئی ایسا کام کر لیا ہے جو اس کی بخشش کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اور وہ کام کیا تھا؟ خوفِ خدا سے گناہ کو چھوڑنا اور سچی توبہ کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ ''ایک بندے نے گناہ کیا اور پھر کہنے لگا: پروردگار! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے' مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار بھی ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مؤاخذہ کرتا ہے اور فرمایا: میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ اس کے کچھ مدت بعد اس نے پھر گناہ کیا اور کہا: اے میرے رب میرا گناہ بخش دے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ بخشتا اور اس پر مؤاخذہ کرتا ہے اور فرمایا: میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر کچھ مدت بعد وہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب میرا گناہ بخش دے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے گناہ کیا اور یہ سمجھا کہ کوئی اس کا پروردگار ہے جو گناہ بخشتا بھی ہے اور اس پر گرفت بھی کرتا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: میں نے اپنے بندے کو بخش دیا' بس اب وہ جو چاہے کرے۔'' (صحیح بخاری و مسلم)

انسان اپنی فطری کمزوری کی بنا پر گناہ کر بیٹھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ پسند ہے جس سے گناہ ہو جائے تو وہ خدا سے خوف کھاتے ہوئے اس گناہ کی بخشش کے لیے اللہ کے سامنے گڑگڑائے۔ چنانچہ اس کا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ حدیث میں مذکور شخص سے بتقاضائے بشریت گناہ سرزد ہو جاتا ہے مگر وہ اسی وقت اُس بخشن ہار کے سامنے استغفار کرتا ہے۔ گناہ

ہونے کے بعد جب اس بندے کے خوفِ خدا اور انابت کا یہ حال ہے کہ وہ فوری بخشش کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہ شخص ہے کہ جب بھی اس سے گناہ سرزد ہو گا یہ توبہ کے لیے جلدی کرے گا۔ چنانچہ اس حال میں اللہ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تو اب جو چاہے کر میں نے تجھے بخش دیا۔ یعنی تو خوفِ خدا کے احساس سے ہر گناہ کے بعد سچے دل سے بخشش چاہے گا تو تجھے بخشش مل جایا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ان گناہگاروں کے گناہ بخشنے سے نہیں تھکتا جو اُس کے خوف سے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔

فرشتے وہ مخلوق ہیں کہ ان سے گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا' مگر انسان میں یہ فطری کمزوری رکھ دی گئی ہے کہ اس سے گناہ ضرور ہو جاتا ہے اگرچہ وہ کتنا ہی بچنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی اس فطری کمزوری کا خالق ہے۔ اس کو پسند ہے کہ انسان سے خطا یا گناہ ہو جائے تو خوفِ خدا کے جذبے سے سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرے۔ ایسا ہو گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءُوْنَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ)) ''تمام انسان خطا کار ہیں اور اچھے خطا کار وہ ہیں جو خطا کے بعد اللہ سے رجوع کرتے ہیں''۔ (ترمذی' ابن ماجہ) یعنی اللہ سے ڈرتے ہیں اور اپنے گناہ کی معافی طلب کرتے ہیں۔ بلکہ اگر انسان نہ خطا کریں اور نہ ہی مغفرت طلب کریں تو ایسے لوگ اللہ کو ناپسند ہیں۔ وہ تو چاہتا ہے کہ انسان فطری کمزوری کے تحت گناہ کر بیٹھیں تو پھر خوفِ خدا سے معافی کے خواستگار ہوں اور وہ انہیں معاف کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تم کو فنا کر دیتا اور (تمہاری جگہ) ایسے لوگوں کو لاتا جن سے گناہ سرزد ہوتے' پھر وہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو اللہ انہیں معاف کرتا۔'' (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: تین آدمی کہیں چلے جا رہے تھے کہ ان کو بارش نے آ لیا۔ وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے۔ پہاڑ سے غار کے منہ پر ایک پتھر کی چٹان آ پڑی جس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ تینوں میں سے ایک نے دوسروں کو کہا اپنے ان نیک اعمال پر نظر ڈالو جو خاص طور پر اللہ کی رضا کے لیے کیے ہوں اور اس عمل کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پتھر یا اس مصیبت کو دور

کر دے گا۔ دو شخصوں نے اپنے ایک ایک نیک عمل کے وسیلے سے دعا مانگی اور پتھر غار کے منہ سے کچھ ہٹ گیا۔ تیسرا آدمی اس طرح گویا ہوا: اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی' میں اس سے انتہائی محبت کرتا تھا' ایسی محبت جیسی کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ میں نے اُس سے وصال کی خواہش ظاہر کی تو اُس نے سو اشرفیوں کا تقاضا کیا۔ میں نے سو اشرفیاں جمع کر لیں اور ان کو لے کر اس عورت کے پاس پہنچا۔ پھر جب میں نے اس عورت پر قابو پا لیا تو عورت نے کہا خدا کے بندے خدا سے ڈر اور مہر کو نہ توڑ۔ چنانچہ پروردگار! میں تیرے خوف سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اس شخص نے اپنے اس عمل کے وسیلے سے اللہ سے دعا کی جو فوراً قبول ہوئی اور پتھر کی چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی۔ یہ واقعہ متفق علیہ ہے۔ گویا خدا کے خوف کے تحت گناہ کے کام پر اختیار رکھنے کے باوجود اس گناہ سے رک جانا ان کی مصیبت دور کرنے کا باعث بن گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص تھا جس نے کبھی کوئی نیک عمل نہ کیا تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں کو یہ وصیت کی کہ دیکھو جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلا دینا' پھر اس کی آدھی خاک جنگل میں اڑا دینا اور نصف دریا میں بہا دینا۔ خدا کی قسم! اگر کہیں حق تعالیٰ نے اس کو جمع کر لیا تو ایسا عذاب دے گا کہ تمام جہان میں ایسا عذاب کسی کو نہ دے گا۔ اس شخص کا انتقال ہو گیا تو گھر والوں نے اس کی وصیت پوری کر دی۔ حق تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا (کہ اس کے اجزاء پریشان کو جمع کرے) اس نے سب جمع کر دیے اور (اسی طرح) پانی کو حکم دیا تو اس نے بھی اس کے جو اجزاء اس میں تھے جمع کر دیے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا (بول) تو نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟ اس نے عرض کیا: اے پروردگار! صرف تیرے خوف اور ڈر سے اور تو خوب جانتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی۔ (متفق علیہ) اس گنہگار نے شدتِ خوف اور مایوسی کے عالَم میں عذابِ الٰہی سے نجات کا ایک غلط راستہ تجویز کیا۔ رحیم و کریم آقا نے اس کی غلطی کا نوٹس نہیں لیا بلکہ اس نے خوفِ خدا کی قدردانی کی اور اسے بخش دیا۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر کسی بھی گناہ سے باز رہنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ کسی شخص کو رشوت کی پیشکش ہو' اسے رقم کی ضرورت بھی ہو' اُس کا نفس اسے رشوت قبول کرنے کا حکم دے رہا ہو' مگر اس وقت وہ خدا کے خوف سے ڈر کر انکار کر دے تو یہ وہ نیکی ہے جو اللہ کی رحمت کا

سبب بنتی ہے۔ اسی طرح جھوٹ بول کر یا غلط بیانی کر کے خاصا نفع مل رہا ہو مگر خدا کا خوف آڑے آئے اور بندہ لالچ سے اجتناب کرنے میں کامیاب رہے تو خدا کا یہ خوف اس کے لیے رب کی خوشنودی کا سبب بن جائے گا۔

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی انسان تھے' لیکن عام انسان نہ تھے' اللہ کے بندے اور اُس کے رسول تھے۔ ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کی شان والے تھے۔ تاہم آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خدا کا خوف رکھتے تھے۔ اس لیے کہ خدا کا خوف ہی حکمت کی چوٹی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کا عمل اس کو جنت میں نہیں لے جا سکے گا اور نہ دوزخ سے بچا سکے گا..... اور میرا بھی یہی حال ہے' مگر اللہ کی رحمت اور اُس کا فضل دامن گیر ہو جائے۔'' (صحیح مسلم)

یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ کثرت سے استغفار کرتے تھے' کیونکہ خوفِ خدا کے تحت استغفار اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول تو آپ ﷺ کا مشن تھا۔

❁❁❁

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین
کی اہمیت و فرضیت، بعنوان:

توحیدِ عملی

سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 150 روپے، اشاعت عام 100 روپے

غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ
دستورِ پاکستان اور قادیانیت

شکیل عثمانی

حال ہی میں وطن عزیز کے ممتاز دانشور جناب جاوید احمد غامدی کا ایک مضمون ''اسلامی ریاست: ایک جوابی بیانیہ'' ان کے ماہنامہ ''اشراق'' لاہور اور چند دوسرے رسائل اور جرائد میں شائع ہوا ہے۔ موضوع کی اہمیت اور اپنے سنجیدہ اور علمی اندازِ بیان کے سبب یہ مضمون گہرے غور و فکر کا متقاضی ہے۔ اس لیے بھی کہ یہ ملک میں جاری اسلام اور سیکولرزم کی اُس کشمکش کی عکاسی کرتا ہے جس کے دوررس نتائج ہوں گے۔ ذیل کی سطور میں مضمون کے صرف چند نکات کا اختصار سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

اس مضمون کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ''ریاست کا کوئی مذہب یا دین نہیں ہوتا''۔ ماضی میں بھی اس موضوع پر بحث ہوتی رہی ہے، جس میں ''جوابی بیانیے'' کے مصنف کا نقطۂ نظر وہی رہا ہے جو پاکستان کے راسخ العقیدہ اسلامی مفکرین کا ہے۔ حوالے کے لیے ملاحظہ فرمائیے، ماہنامہ اشراق ستمبر ۱۹۸۸ء میں غامدی صاحب کا مضمون جو سابق صدر ضیاء الحق کی وفات کے تناظر میں لکھا گیا۔ قارئین کی سہولت کے لیے مضمون کا متعلقہ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ (خط کشیدہ جملے خصوصی توجہ کے مستحق ہیں)

> ''صدر جنرل محمد ضیاء الحق بھی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کی وفات ہماری تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش سانحہ ہے۔ نفاذِ دین کے لیے جو حکمتِ عملی انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں اختیار کیے رکھی، مجھے اگرچہ اس سے سخت اختلاف تھا، لیکن ابھی پچھلے ماہ میں نے جب ''شریعت آرڈیننس'' کے نفاذ کے بعد ان کی حکمت عملی پر تنقید لکھی تو اس میں یہ بھی لکھا:
>
> ''مجھے اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ بہرحال اس ملک کی تاریخ میں پہلے سربراہِ مملکت ہیں جنہوں نے اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کو بغیر کسی معذرت کے پورے

> اعتماد کے ساتھ ظاہر کیا۔ اسے برملا اس مملکت کی اساس قرار دیا۔ اس کے بارے میں صاف صاف کہا کہ وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے، اسی طرح ہماری ریاست کا بھی دین ہے۔ اپنی سربراہی کے پہلے دن سے اس کے نفاذ کے لیے کوشاں ہوئے۔ علماء اور اہلِ دین کے ساتھ بہت عقیدت مندانہ رویہ اختیار کیا۔ ہر قومی اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر، جہاں انہیں موقع ملا، وہ قرآن کی آیات پڑھتے اور اسلام پر اپنے غیر متزلزل یقین کا اظہار کرتے نظر آئے، اور اس ملک میں جہاں اکثر اربابِ سیاست اب بھی اس حماقت میں مبتلا ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے اور ریاست کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے، وہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اس تصور کی بیخ کنی کرتے رہے۔
>
> صدر صاحب کی وفات کے بعد اب اس ملک کے در و دیوار ان حقائق کا اعتراف کر رہے ہیں۔'' (ص ۶)

خط کشیدہ جملوں میں موصوف نے صدر ضیاء الحق کے ان الفاظ کا حوالہ دیا ہے کہ اسلام جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے اسی طرح ہماری ریاست کا بھی دین ہے اور یہ حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے صدر ضیاء الحق کے نقطۂ نظر سے کسی اختلاف کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہا کہ ملک کے جو اربابِ سیاست یہ کہتے ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے اور ریاست کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے، وہ حماقت میں مبتلا ہیں۔ اب ''جوابی بیانیے'' میں موصوف کا یہ کہنا کہ ریاست کا کوئی دین نہیں ہوتا، یہ ان کے نقطۂ نظر میں ایک بڑی تبدیلی ہے اور جب تک وہ نہیں بتاتے کہ اس تبدیلی کی وجوہات یا محرکات کیا ہیں اور یہ ''جدید وحی'' کب اور کیوں نازل ہوئی، بحث کو آگے بڑھانا مفید نہیں ہوگا۔ کیوں سے ہماری مراد سبب (cause) ہے۔ ہم ان کے جواب کے منتظر رہیں گے۔ ویسے ہمیں صرف ایک فیصد امید ہے کہ وہ اپنے ان تجربات اور مشاہدات کو بیان کریں گے جو اس تبدیلی کے محرک ہوئے، کیونکہ ''اشراق'' کے مذکورہ مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے ان کی یادداشت کی ''ایک اور'' کمزوری واضح ہو جائے گی۔ یہاں یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ یہ نقطۂ نظر میں محض تبدیلی نہیں بلکہ یوٹرن (U-turn) ہے، جس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے:

جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

جناب جاوید احمد غامدی ''جوابی بیانیے'' میں لکھتے ہیں کہ خلافت کوئی دینی اصطلاح نہیں

ہے —— خلافت دینی اصطلاح ہے یا نہیں' اس سلسلے میں ہم جاوید احمد غامدی صاحب کے جلیل القدر استاذ امام امین احسن اصلاحی اور اُن (غامدی صاحب) کے استاذ الاستاذ امام حمید الدین فراہی کی تحریریں پیش کرتے ہیں۔ ان علماء کا انتخاب ہم نے اس لیے کیا کہ خود غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''حالی غالب کے شاگرد تھے۔ ان کے مرثیے کا اختتام انہوں نے جن شعروں پر کیا ہے' انہیں لوگوں نے اُس زمانے میں حالی کے حسنِ عقیدت پر محمول کیا ہوگا۔ لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ غالب وہی تھا جسے حالی کی آنکھوں نے دیکھا۔ میں نے بھی بہت سے عالم دیکھے' بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا ہے' لیکن امین احسن اور ان کے استاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ:

غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت''

(مقامات' طبع دوم' ص ۱۳۰۔۱۳۱)

مولانا امین احسن اصلاحی سورۂ آل عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے' معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے' اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو پراگندہ ہو گئے اور جنہوں نے اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ہدایات آ چکی تھیں' اور وہی ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔

''خلافت'' کے قیام کا بنیادی مقصد

یہ' امت کو اس اہتمام و انتظام کی ہدایت فرمائی گئی ہے جو اعتصام بحبل اللہ پر قائم رہنے اور لوگوں کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ ہدایت ہوئی کہ مسلمان اپنے اندر سے ایک گروہ کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے' معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے۔ معروف و منکر سے مراد شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات و منکرات ہیں اور ان کے لیے امر و نہی کے جو الفاظ

استعمال ہوئے ان کا غالب قرینہ یہی ہے کہ یہ کام مجرد وعظ و تلقین ہی سے نہیں انجام دینا ہے' بلکہ اختیار اور قوت سے اس کو نافذ کرنا ہے' جو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ گروہ امت کی طرف سے سیاسی اقتدار و اختیار کا حامل ہو۔ اگر تنہا دعوت و تبلیغ ہی سے یہ کام لینا مدنظر ہوتا تو اس مطلب کو ادا کرنے کے لیے **یدعون الی الخیر** کے الفاظ کافی تھے' **یا مرون بالمعروف** (الآیۃ) کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک اس آیت سے اس امت کے اندر خلافت کے قیام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد پہلا کام جو کیا وہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کا قیام تھا۔'' (تدبر قرآن' جلد دوم' ص ۱۵۴۔۱۵۵' فاران فاؤنڈیشن لاہور)

مولانا امین احسن اصلاحی اپنی ایک اور تالیف میں لکھتے ہیں:

''ریاست کا اسلامی تصور اس اصطلاح کے اندر چھپا ہوا ہے جو اسلام نے ریاست کی تعبیر کے لیے اختیار کی ہے۔ اسلامی لٹریچر پر نگاہ رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام نے اپنے اصولوں پر قائم شدہ سیاسی تنظیم کے لیے ریاست' سلطنت یا حکومت کی اصطلاحیں نہیں اختیار کی ہیں بلکہ خلافت یا امارت یا امامت کی اصطلاحیں اختیار کی ہیں۔'' (اسلامی ریاست' ص ۸' شائع کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور)

غامدی صاحب اگر اس کتاب کے شروع کے صرف پندرہ صفحات ہی پڑھ لیں تو وہ ان کے لیے چشم کشا ثابت ہوں گے اور خلافت کے دینی اصطلاح ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

مولانا حمید الدین فراہی نے سورۂ والعصر کی تفسیر میں ایک عنوان قائم کیا ہے: ''لفظ وتواصوا سے خلافت کا وجوب''۔ اس سورۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا نے سورۂ آل عمران کی حسب ذیل آیت کا حوالہ دیا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (آیت ۱۱۰)

(ترجمہ) ''.....تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لیے اٹھائے گئے ہو۔ تم نیکی کا حکم دو گے' برائی سے روکو گے' اللہ پر ایمان لاؤ گے۔''

[مولانا لکھتے ہیں]' اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے اہم فرائض میں سے ہے' چنانچہ اس کے متعلق دوسری آیات بھی وارد ہیں۔

لیکن یہ امر واضح ہے کہ اس کی اصلی ذمہ داری‘ جیسا کہ ولتکن منکم امة سے متبادر ہوتا ہے‘ امت کے لیڈروں پر ہے۔ البتہ تواصی ایک فرضِ عام ہے جس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

اس سے معاملے کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عملِ صالح کریں‘ پھر ادائے حقوق کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں‘ اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت وسیاست کے ناممکن ہے‘ اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں۔ ‘‘(مجموعہ تفاسیر فراہی‘ ص۳۴۳۔۳۴۴‘ فاران فاؤنڈیشن‘ لاہور)

اب ہم ’’جوابی بیانیے‘‘ کے نکتہ نمبر۴ پر اپنے معروضات پیش کرتے ہیں۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

’’دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں‘ مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علماء یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے‘ ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے‘ اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جا سکتا ہے‘ لیکن اس کے حاملین چونکہ قرآن و حدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں‘ اس لیے انہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس طرح کے عقائد و اعمال کے بارے میں خدا کا فیصلہ کیا ہے‘ اس کے لیے قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ دنیا میں ان کے حاملین اپنے اقرار کے مطابق مسلمان ہیں‘ مسلمان سمجھے جائیں گے‘ اور ان کے ساتھ تمام معاملات اسی طرح ہوں گے جس طرح مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔‘‘(ماہنامہ اشراق‘ فروری ۲۰۱۵ء‘ ص۲۲)

غامدی صاحب کے اس کلیے کے مطابق جناب غلام احمد پرویز اور ان کے متبعین اور مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین (جنہیں احمدی یا قادیانی کہا جاتا ہے) کو غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا‘ کیونکہ یہ دونوں گروہ اپنے مسلمان ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور قرآن اور حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔ اگرچہ جناب غلام احمد پرویز کو منکرِ حدیث اور منکرِ سنت کہا جاتا ہے لیکن وہ بھی اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں بعض احادیث پیش کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ایسا کرتے ہوئے وہ ان احادیث کو سیاق وسباق سے الگ کر دیتے ہیں۔ مثلاً درج ذیل حدیث:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ‘ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ :((لَا تَکْتُبُوْا عَنِّیْ‘ وَمَنْ کَتَبَ عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْآنِ فَلْیَمْحُہُ‘ وَحَدِّثُوْا عَنِّیْ‘ وَلَا حَرَجَ)) (صحیح مسلم)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مجھ سے کچھ نہ لکھو‘ اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ اور لکھا تو اس کو چاہیے کہ وہ اسے مٹا دے۔ اور مجھ سے روایت کرو‘ کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔‘‘

کا حوالہ دیتے وقت وہ صرف شروع کا حصہ یعنی ’’ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ اور لکھا تو اس کو چاہیے کہ اسے مٹا دے‘‘ بیان کرتے ہیں اور بقیہ حصہ ’’اور مجھ سے روایت کرو کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں‘‘ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث کا محل کیا ہے‘ اس سلسلے میں قارئین علماء کی وہ کتابیں ملاحظہ فرمائیں جن میں حجیتِ حدیث سے بحث کی گئی ہے۔ بہرحال مندرجہ بالا حدیث کی جامع اور مختصر توضیح امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں کی ہے۔

پرویز صاحب کے عقائد اور افکار کے بارے میں غامدی صاحب کے کلیے یا ’’جوابی بیانیے‘‘ کے نکتہ نمبر۴ کا اطلاق ان کے رفقاء کس طرح کرتے ہیں‘ اس سلسلے میں ماہنامہ اشراق‘ اکتوبر ۲۰۰۸ء کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غامدی صاحب کے ادارے ’’المورد‘‘ کے رکن محمد رفیع مفتی کے بقول ادارے کے اسکالرز خطوط اور ای میلز کے ذریعے موصول شدہ دینی موضوعات پر جن سوالوں کے جواب دیتے ہیں ان میں منتخب سوالات وجوابات کو افادۂ عام کے لیے ’’یَسْئَلُوْنَ‘‘ کے عنوان کے تحت ’’اشراق‘‘ میں شائع کیا جاتا ہے۔ اب ’’قرآن فہمی کے متعلق اختلافِ رائے‘‘ کے زیرعنوان مندرجہ ذیل سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

سوال: جاوید احمد صاحب غامدی علامہ پرویز صاحب کی قرآن فہمی سے کس حد تک متفق ہیں؟ علمائے کرام نے پرویز صاحب پر کفر کے بہت فتوے لگائے‘ غامدی صاحب کی پرویز صاحب کے بارے میں کیا رائے ہے‘ کیا وہ صحیح تھے یا غلط؟ (صفدر اقبال)

جواب: معاملہ یہ ہے کہ غامدی صاحب اور پرویز صاحب کی قرآن فہمی میں کوئی اتفاق نہیں ہے۔ ان دونوں حضرات کے قرآن فہمی کے اصولوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ غامدی

صاحب نے اپنے قرآن فہمی کے اصولوں کو اپنی کتاب ''اصول و مبادی'' میں ''مبادیٔ تدبر قرآن'' کے عنوان کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے‘ انہیں آپ وہاں دیکھ سکتے ہیں‘ اور پرویز صاحب نے اپنی تفسیر ''مفہوم القرآن'' کی ابتدا میں اپنے اصولوں کو بیان کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کے اصولوں میں پائے جانے والے ایک بنیادی فرق کو میں یہاں بیان کر دیتا ہوں۔ غامدی صاحب کے نزدیک قرآن فہمی کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کے الفاظ کے وہی معنی لیے جائیں جو نزولِ قرآن کے زمانے میں عربوں میں مستعمل تھے۔ جبکہ پرویز صاحب کے نزدیک کسی لفظ کے معنی اس کے مادے (root) سے طے کیے جائیں گے۔

تفصیل کے لیے آپ ان دونوں حضرات کی قرآن فہمی سے متعلق کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا درست نہیں۔ ہم دوسرے کی آراء سے اختلاف کر سکتے ہیں‘ ان کے خیالات کو غلط قرار دے سکتے ہیں‘ لیکن کسی کو کافر کہنے کا حق ہمیں حاصل نہیں۔ ہمارے نزدیک دین کے معاملے میں پرویز صاحب کی کئی آراء یکسر غلط تھیں۔

(اشراق‘ اکتوبر ۲۰۰۸ء‘ ص ۶۷)

جواب کی آخری تین سطور خصوصی توجہ کی مستحق ہیں جن میں کہا گیا ہے ''ہمارے نزدیک کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا درست نہیں۔ ہم دوسرے کی آراء سے اختلاف کر سکتے ہیں‘ اس کے خیالات کو غلط قرار دے سکتے ہیں‘ لیکن کسی کو کافر کہنے کا حق ہمیں حاصل نہیں۔''

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسئلہ تکفیر اور پرویز صاحب کی تکفیر کے فتوے کے بارے میں امام امین احسن اصلاحی کے نقطۂ نظر سے بھی آگاہی حاصل کی جائے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل میں پاکستان کے تقریباً ایک ہزار علماء نے جناب غلام احمد پرویز کو اُن کے عقائد کی بنا پر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا تھا۔ ان علماء کا تعلق دیوبندی‘ بریلوی‘ اہلِ حدیث اور شیعہ مکاتب فکر سے تھا۔ فتوے کی اشاعت کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی کو پرویز صاحب کے ایک سرگرم حامی کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں بقول مولانا پہلے تو اُن علماء پر بڑی لے دے کی گئی تھی جنہوں نے پرویز صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا‘ پھر مولانا سے پُرزور مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ پوری ایمان داری کے ساتھ اس فتوے پر اپنی رائے ظاہر کریں۔ اس خط کے علاوہ مولانا کو ''کافرگری'' کے عنوان سے خود پرویز صاحب کی طرف سے بھی ایک پمفلٹ موصول ہوا۔ اس تناظر میں مولانا اصلاحی ماہنامہ ''میثاق'' لاہور (مئی

۱۹۶۲ء) کے اداریے میں لکھتے ہیں:

''[پرویز صاحب اور ان کے حامی] یہ موقف اختیار نہ کریں کہ علماء کو کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کا حق نہیں ہے۔ اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی نظام میں کسی کے کفر و ارتداد پر اس کو سزا دینا حکومت کا کام ہے‘ لیکن یہ بتانا کہ کیا چیز کفر ہے اور کیا چیز اسلام ہے‘ ہر حال میں علماء ہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری ان پر اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔ اگر وہ اس کو ادا نہ کریں گے تو اس کے لیے وہ عنداللہ ذمہ دار ٹھہریں گے۔ یہ ذمہ داری یوں تو ان پر ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی‘ لیکن خاص طور پر اس زمانے میں تو اس کے تنہا حامل وہی ہیں‘ اس لیے کہ اس دور میں مسلمان حکومتوں کو لوگوں کے کفر و ایمان کے معاملے سے کوئی تعلق باقی ہی نہیں رہ گیا ہے۔ وہ یا تو سیکولرزم کے پردے میں غیر جانبدار بن کر بیٹھ گئی ہیں یا پھر مغربیت کے زیر اثر آزادی و بے قیدی کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر علماء بھی لوگوں کی ہدایت و ضلالت کے معاملے سے بالکل بے تعلق ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلے گا کہ نبی اُمی ﷺ کی امت شیطان اور اس کی ذریات کی صرف ایک چراگاہ بن کر رہ جائے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس فتوے کے جواب میں تاویل بازی اور مغالطہ انگیزی کی جو روش اختیار کی گئی ہے یہ بالکل غلط ہے۔ علماء نے جو فتویٰ دیا ہے وہ پرویز صاحب کی کسی مبہم عبارت یا کسی معلّق تحریر یا مجمل قول پر مبنی نہیں ہے کہ اس کی توضیح و تشریح کی ضرورت پیش آئے۔ یہ فتویٰ پرویز صاحب کے ایسے عقائد و نظریات پر مبنی ہے جن کو وہ ایک مدتِ دراز سے بیان کر رہے ہیں۔

پرویز صاحب نے مختلف گروہوں کے علماء کے ایک دوسرے کے خلاف فتووں کا جو ریکارڈ شائع کیا ہے‘ یہ بھی ان کے حق میں کچھ سودمند نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ مختلف مسلکوں کے غالی مولویوں نے گروہی تعصّبات و نزاعات کے جوش میں ایک دوسرے کے خلاف فتوے دے ڈالے ہیں‘ لیکن اس سے اُس فتوے کی اہمیت ذرا کم نہیں ہوتی جو انہوں نے پرویز صاحب کے خلاف دیا ہے۔ کچھ بریلویوں کا دیوبندیوں کے خلاف یا کچھ دیوبندیوں کا بریلویوں کے خلاف کوئی فتوے دے دینا الگ چیز ہے اور کم و بیش ایک ہزار علماء کا‘ جن میں مسلمانوں کے ہر مسلکِ فقہی و کلامی کے علماء شامل ہیں‘ پرویز صاحب کے کفر پر اجماع کر لینا ایک مختلف چیز ہے۔ اس قسم کا اجماع قادیانیوں کے سوا

کسی کے کفر پر بھی اس ملک میں نہیں ہوا ہے۔

آخر میں ہم یہ بات بھی واضح کیے دیتے ہیں کہ پاک و ہند کے جن علماء کے اس فتوے پر دستخط ثبت نہیں ہیں‘ ان کو اس فتوے سے الگ خیال کرنا محض ایک مغالطہ ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے اس پر دستخط نہیں کیے ہیں تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ فتووں پر دستخط کرنا ان کے رجحانِ طبیعت اور ذوق کے خلاف ہے‘ یا یہ ہے کہ اس دور میں اس چیز کو وہ کچھ زیادہ مفید نہیں پا رہے ہیں۔ میرے جیسے لوگوں کے لیے یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ فتوے لکھنا یا اس پر دستخط کرنا میں نے اپنے منصب سے ہمیشہ ایک اونچی چیز سمجھا ہے‘ لیکن یہ بات کہنے میں مجھے ذرا حجاب نہیں کہ پرویز صاحب کے خیالات و عقائد کو میں نے ہمیشہ کفر و ضلالت سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ زندگی کا صحیح رخ اختیار کریں اور دین سے ناواقفوں کے لیے فتنہ نہ بنیں۔'' (ص ۵‘۶‘۹)

اب ہم ''جوابی بیانیے'' کے نکتہ نمبر ۴ کی طرف دوبارہ رجوع کرتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا‘ غامدی صاحب ''بیانیے'' میں یہ کہتے ہیں کہ ''دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں‘ اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں‘ مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علماء یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے‘ ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے‘ اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جا سکتا ہے‘ لیکن چونکہ اس کے حاملین قرآن و حدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں اس لیے انہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا''۔ ہمارا معروضہ یہ ہے کہ اس استدلال کی رو سے احمدیوں یا قادیانیوں کو بھی غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا‘ کیونکہ وہ بھی اپنے مسلمان ہونے کا اقرار‘ بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث سے ہی اپنے موقف کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔ بانی تحریکِ احمدیت مرزا غلام احمد قادیانی قرآن مجید کی آیہ خاتم النبیین کی ایسی تعبیر کرتے ہیں جس سے اجرائے نبوت ثابت ہوتی ہے‘ جب کہ عام مسلمان اجرائے نبوت کو کفر سمجھتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کے پیش نظر پاکستان کی قومی اسمبلی نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ایک آئینی ترمیم کے ذریعے مرزا صاحب کے متبعین کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اب غامدی صاحب کے ''جوابی بیانیے'' نے ایک نئی بحث کا دروازہ کھول دیا ہے۔ لبرل اور سیکولر حلقے اور بائیں بازو کے بعض رہنما اور دانشور مثلاً نیشنل عوامی پارٹی کے سابق سیکرٹری جنرل قسور گردیزی‘ پارٹی کے ایک رہنما شیر محمد مری المعروف جنرل شیروف‘ پاکستان ورکرز پارٹی کے رہنما عابد حسن منٹو‘ پاکستان ہیومن رائٹس

کمیشن کے ڈائریکٹر ورکشاپ جناب حسین نقی‘ معروف ادیبہ اور کالم نگار محترمہ زاہدہ حنا پہلے ہی ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم یا ۱۹۸۴ء کے امتناع قادیانیت آرڈیننس پر نکتہ چینی کر چکے ہیں‘ اب غامدی صاحب کے ''بیانیے'' کی بنیاد پر اس آئینی ترمیم کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کو چیلنج کرنے کی راہ جناب جاوید غامدی غیر شعوری طور پر پہلے ہی ہموار کر چکے ہیں۔ ہم نے ''غیر شعوری'' اس لیے کہا کہ ہمیں ان کی نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان کی ویب سائٹ www.javedahmadghamidi.com پر ان کے ایک لیکچر کی وڈیو بعنوان Ghamidi on Ahmadiyya Prophethood claim موجود ہے‘ جس میں انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت اور تحریکِ احمدیت پر گفتگو کی ہے۔ ہم نے جب اس لیکچر کو transcribe کرنے کا ارادہ کیا تو ایک دشواری پیش آئی کہ لیکچر کے دوران جب کوئی سامع سوال کرتا تھا تو غامدی صاحب اسی وقت اس کا جواب دیتے تھے۔ اتفاق سے سوالات انتہائی low volume میں ریکارڈ ہوئے ہیں اور تقریباً ناقابل فہم ہیں۔ اس طرح لیکچر کا ربط متاثر ہوتا ہے۔ ہم نے غامدی صاحب کے چند لیکچرز میں شرکت کی ہے‘ ان کے آڈیو کیسٹس بھی سنے ہیں‘ ایک کیسٹ کو transcribe بھی کیا ہے‘ وڈیو کیسٹس بھی دیکھے ہیں۔ ان لیکچرز میں جو روانی ہے ہمیں اس وڈیو میں مفقود نظر آئی۔ اس میں جملوں کی ساخت اور الفاظ کی تقدیم اور تاخیر میں الجھاؤ ہے۔ ان وجوہات کے پیش نظر مناسب معلوم ہوا کہ اس لیکچر کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ یہ خلاصہ درج ذیل ہے:

جاوید غامدی صاحب نے کہا: مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بنیادی طور پر صوفی تھے‘ تصوف سے ان کا اشتغال تھا۔ آپ ان کی ابتدائی زندگی پڑھیں تو اوراد‘ وظائف اور چلے نظر آئیں گے۔ انہی چیزوں کو وہ بیان کرتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں۔ آہستہ آہستہ انہوں نے پھر یہ کہا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ پھر انہوں نے کہا میرا مطلب اصطلاحی نبوت نہیں ہے‘ میں تشریعی نبی نہیں ہوں‘ میں بروزی نبی ہوں‘ میں ظلی نبی ہوں۔ بروزی کا مطلب یہ ہے کہ بس جیسے مجھ پر نبوت کا ایک سایہ پڑ رہا ہے‘ یا نبوت کا ایک پرتو میرے اندر آ گیا ہے۔ اس طرح کی بہت سی باتیں انہوں نے فرمائیں اور پھر آہستہ آہستہ انہوں نے دبے دبے الفاظ میں ایسی باتیں بھی کہیں جن سے یہ معلوم ہوا کہ وہ اس زمانے کے نبی بنا دیے گئے ہیں۔ لیکن میں آپ سے عرض کروں کہ خود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی جو تحریریں ہیں‘ جتنی بھی ہیں‘ ان میں بالصراحت

نبوت کے دعوے کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ آپ ان کی تصانیف جو روحانی خزائن کے نام سے مختلف جلدوں میں چھپی ہیں' پڑھیں تو معلوم ہوگا ایسی ہی باتیں ہیں۔ یعنی انہوں نے اس بات کے بہت دلائل دیے ہیں کہ نبوت کا مطلب یہ ہے اور الہام جاری رہنا چاہیے' وحی جاری رہنی چاہیے۔ یہ خدا کی نعمت ہے' اس سے محروم کیسے ہوگئے' بنی اسرائیل میں سب لوگوں کو ہوتا تھا۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اُمت کیوں محروم کردی گئی۔ اس طرح کے عقلی دلائل انہوں نے دیے۔ پھر الہام' وحی یعنی خدا سے رابطہ' اس کو انہوں نے اسی طرح کی تعبیروں میں بیان کیا جو تمام صوفیانہ تعبیرات ہیں' اور زندگی بھر کرتے رہے۔ اور پھر کسی موقع پر نبی کا لفظ استعمال کیا' تو انہوں نے کہا میرا مطلب یہ ہے' یا میری مراد یہ ہے۔ ختم نبوت کے بارے میں بھی انہوں نے کہا کہ میں اس کا قائل ہوں' لیکن میرا مطلب یہ ہے' حضور ﷺ کی ختم نبوت سے مراد یہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دو گروہ ہوگئے اور ان کے جو قدیم ترین صحابہ تھے' ان کی اصطلاح کے مطابق' انہوں نے تو یہ کہا کہ ایسا نہیں تھا۔ وہ مجدد تھے۔ یہ جو لاہوری جماعت ہے وہ اسی تعبیر پر وجود میں آئی۔ مرزا بشیر الدین صاحب محمود' جو ان کے فرزند تھے انہوں نے اصل میں اس کو زیادہ صریح کیا اور کہا کہ نہیں وہ باقاعدہ ..... ورنہ معاملہ ٹھیک ہوجاتا' اتنا ہی رہتا جتنا صوفیوں کا ہے۔ انہوں نے اس کو پھر اس منتہائے کمال تک پہنچادیا' جہاں پہ توضیح کی ضرورت نہ رہی۔ پھر وہ [مرزا صاحب] تو اپنی ہی نبوت کی بات کرتے تھے۔ بعد میں جب بحثا بحثی ہوئی' مناظرے ہوئے تو پھر یہ ہوا کہ نہیں نبوت کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا ہے۔ کل اور بھی آجائیں گے۔ یعنی معاملہ پھر ذرا مزید آگے بڑھ گیا۔ ان کے جو ابتدائی لوگ ہیں' یہ جو لاہوری جماعت کے جتنے لوگ ہیں وہ ان کے بڑے اکابر ہیں' معمولی لوگ نہیں ہیں۔ جہاں تک ان کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین صاحب کا تعلق ہے تو ان کے معاملے میں تو کوئی زیادہ اختلاف نہیں پیدا ہوا۔ لیکن ان کے بعد جب خلافت کا معاملہ ہوا تو یہ ساری بحث سامنے آئی۔ حکیم نورالدین صاحب کے زمانے میں بھی صورت حال یہ نہیں تھی' اس طرح کی یعنی صورت حال ایسی تھی جیسی میں نے آپ کو سنائی ہے اور زیادہ سے زیادہ بات جو وہ کہتے تھے وہ اسی طرح کی بات تھی جیسے ابن عربی نے کہہ دی۔ نوٹ: احتیاط کے پیش نظر اس تلخیص میں غامدی صاحب کے اکثر اصل جملے شامل کیے گئے ہیں۔

جاوید غامدی صاحب کے لیکچر کی اس تلخیص سے مندرجہ ذیل تین نکات اخذ ہوتے ہیں:

(۱) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تحریروں میں بالصراحت نبوت کے دعوے کی کوئی تحریر

نہیں ہے۔

(۲) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین' مرزا صاحب کو اصطلاحی نبی نہیں سمجھتے تھے۔

(۳) احمدیوں کا لاہوری فریق (مولوی محمد علی لاہوری گروپ) شروع سے مرزا صاحب کو مجدد سمجھتا رہا ہے۔

بہرحال غامدی صاحب نے یہ بھی کہا کہ مرزا صاحب کے دعاوی اور تعبیرات میں اور صوفیہ کے دعاوی اور تعبیرات میں مماثلت ہے۔ تصوف ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اہلِ تصوف مناسب سمجھیں گے تو اس کا جواب دیں گے۔ اس لیے ہماری گفتگو مندرجہ بالا تین نکات تک محدود رہے گی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت

غامدی صاحب کا ارشاد ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تحریروں میں بالصراحت نبوت کے دعوے کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ صریح تحریریں پیش کرنے سے قبل ہم قارئین سے یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ پروفیسر الیاس برنی مؤلف ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' کے بقول مرزا غلام احمد قادیانی' حکیم نورالدین اور دوسرے قادیانی اساطین کی کتابوں میں اس درجہ تکرار' تضاد' ابہام اور التباس ہے کہ اکثر مباحث بھول بھلیاں نظر آتے ہیں۔ اس تضاد اور التباس کے پیش نظر ممتاز ادیب اور صحافی شورش کاشمیری نے مرزا صاحب اور دوسرے قادیانی رہنماؤں کی تحریروں اور تعبیروں کو دوشیزہ کی کہہ مکرنیاں قرار دیا ہے۔ ہماری رائے میں ان تحریروں اور تعبیروں پر یہ مصرع پوری طرح صادق آتا ہے:

جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

اگر جنابِ شیخ کا کُھرا اٹھایا جائے تو اِن شاء اللہ قارئین صریح تحریروں تک پہنچ جائیں گے۔ دراصل مرزا صاحب نبوت کی طرف ایک قدم بڑھاتے تھے اور جب مسلمانوں کی طرف سے مخالفت ہوتی تھی تو اسے پیچھے ہٹا لیتے تھے' جیسا کہ مولوی عبدالحکیم سے ایک معاہدے مورخہ ۳ فروری ۱۸۹۲ء میں جو ''تبلیغ رسالت'' حصہ دوم ص ۹۵ میں چھپا ہے' مرزا صاحب تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے رسائل ''فتح اسلام''، ''توضیح المرام'' اور ''ازالۂ اوہام'' میں لکھا ہے کہ محدث ایک مفہوم میں نبی ہوتا ہے۔ اگر مسلمان بھائی ان لفظوں

سے ناراض ہیں تو وہ بجائے لفظ 'نبی' کے 'محدث' کا لفظ ہر جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔ واضح رہے کہ یہ ۱۸۹۲ء کی تحریر ہے۔ جوں جوں مرزا صاحب کے معتقدین میں اضافہ ہوتا گیا' حصولِ نبوت کے جذبے میں جان پڑتی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۱ء میں ایک ٹریکٹ ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں نبوت کا اعلان کر دیا۔ ''ایک غلطی کا ازالہ'' سے اقتباس ہم بعد میں پیش کریں گے' یہاں عرض یہ کرنا ہے کہ مرزا صاحب مامور من اللہ' مجدد' محدث' مسیح موعود اور مہدی کے مراتب سے ''ترقی'' کرتے ہوئے بتدریج نبوت کے منصب تک پہنچے۔ اس لیے ان کے ابتدائی دور کے دعووں کو نظر انداز کرتے ہوئے آخری دور کے دعووں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

اب ہم مرزا غلام احمد قادیانی کی ان چند تحریروں کو پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو لغوی معنی میں نبی (یعنی پیشین گوئیاں کرنے والا) قرار نہیں دیتے بلکہ اللہ کا بنایا ہوا نبی قرار دیتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے انہیں نبی کے نام سے پکارا اور ان کا نام نبی رکھا۔

(۱) مرزا صاحب کا آخری عقیدہ جس پر ان کا خاتمہ ہوا' یہی تھا کہ وہ نبی ہیں' چنانچہ انہوں نے اپنے آخری خط میں جو ٹھیک ان کے انتقال کے دن اخبارِ عام میں شائع ہوا' واضح الفاظ میں لکھا کہ:

> ''میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا' اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کرسکتا ہوں؟ میں اس پر قائم ہوں اُس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں۔'' (اخبار عام' ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء' منقول از حقیقۃ النبوۃ از مرزا محمود' ص ۲۷۱' ومباحثہ راولپنڈی' ص ۱۳۶)

یہ خط ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کو لکھا گیا اور ۲۶ مئی کو اخبارِ عام میں شائع ہوا اور ٹھیک اسی دن مرزا صاحب کا انتقال ہوگیا۔

واضح رہے کہ مباحثہ راولپنڈی جماعت احمدیہ راولپنڈی اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی (لاہوری گروپ) میں تحریری طور پر ہوا تھا۔ بنیادی موضوعات دو تھے' اولاً ''کیا مرزا صاحب نبی تھے؟'' ثانیاً ''کیا مرزا صاحب نے اپنے نہ ماننے والوں کی تکفیر کی؟'' فریقین کے پرچے ''مباحثہ راولپنڈی'' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کیے گئے۔ اس کتاب کے مستند ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ یہ دونوں جماعتوں کے مشترکہ اخراجات سے شائع ہوئی۔

(۲) مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں:

> ''چند روز ہوئے ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے' اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا گیا۔ حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے' حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی اس میں سے ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔ نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا بار' پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہوسکتا ہے!'' (ایک غلطی کا ازالہ' ص ۳' روحانی خزائن جلد ۱۸' ص ۲۰۶)

(۳) مرزا غلام احمد قادیانی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:

> ''تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ' بہرحال جب تک طاعون دنیا میں رہے' گو ستر برس تک رہے' قادیان کو اس خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔'' (دافع البلاء' ص ۱۴' روحانی خزائن' ص ۱۵۴)

(۴) مرزا قادیانی صاحب ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:

> ''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امورِ غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں' کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرتِ امورِ غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں نہیں پائی جاتی۔'' (حقیقۃ الوحی' ص ۳۹۱)

مرزا صاحب کا تشریعی نبوت کا دعویٰ

مرزا غلام احمد قادیانی کے صریح دعویٰ نبوت کے چار حوالے پیش کیے جا چکے ہیں۔ ان کی اس قسم کی بیسیوں تحریریں موجود ہیں جن کو نقل کرنے کی فی الحال ضرورت نہیں ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے ترقی پذیر (developing) دعووں کے ایک مرحلے میں تشریعی نبی یا صاحبِ شریعت ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہوگیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں' کیونکہ میری

وحی میں امر بھی ہیں نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْ مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰی لَھُمْ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تئیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی۔ یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے۔'' (اربعین۴، طبع چہارم، مطبوعہ چناب نگر (ربوہ) روحانی خزائن ج:۱۷، ص:۴۳۵۔۴۳۶)

مذکورہ بالا عبارت میں مرزا صاحب نے واضح الفاظ میں اپنی وحی کو تشریعی وحی قرار دیا ہے۔ عربی اور اردو کے صاحبِ طرز ادیب اور نامور عالمِ دین مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''بعض اہم قطعی و متواتر احکام شریعت کو پوری صراحت وقوت کے ساتھ منسوخ و کالعدم کر دینا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ [مرزا صاحب] اپنے کو ایسا صاحبِ شریعت اور صاحبِ امر و نہی نبی سمجھتے تھے جو قرآنی شریعت کو منسوخ کر سکتا ہے، چنانچہ جہاد جیسے منصوص قرآنی حکم کو جس پر امت کا تعامل اور تواتر ہے اور جس کے متعلق صریح حدیث ہے ''الجھاد ماضٍ اِلٰی یوم القیامۃ'' کی ممانعت کرنا اور اس کو منسوخ قرار دینا اس کا روشن ثبوت ہے۔ جہاد کی منسوخی و ممانعت کے سلسلے میں یہاں ان کی صرف ایک کتاب کا اقتباس کافی ہوگا۔ وہ ''تریاق القلوب'' (صفحہ نمبر ۱۵) میں لکھتے ہیں:

''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنتِ انگریزی کی تائید و حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔''

تنسیخِ جہاد کے اعلان کے علاوہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا کہ ''خدا نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا ہے جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے

اس مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔'' (دافع البلاء، ص۱۳، روحانی خزائن ج۱۸، ص۲۳۳)

ہمارا معروضہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام تشریعی نبی تھے اور جو شخص آپ سے ''تمام شان میں'' یعنی ہر اعتبار سے بڑھ کر ہو تو وہ تشریعی نبی کیوں نہیں ہوگا؟

عقل عام اور مذاہبِ عالم کی تاریخ کے مطابق جب بھی کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو حق و باطل کی بحث سے قطع نظر، اس کے دعوے کو درست تسلیم کرنے والے اور انکار کرنے والے دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، اور دعویٰ نبوت کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اس جدید نبوت پر ایمان نہیں لاتے ان کی تکفیر کی جائے۔ چنانچہ مرزا صاحب اپنے دعوے کے منکر کی تکفیر کرتے ہیں۔ بہرحال مرزا صاحب کی بعض ایسی تحریریں بھی پیش کی جاتی ہیں جن میں انہوں نے فرمایا ''میرے دعوے کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہو سکتا''۔ یہ اسی قسم کا تضاد اور التباس ہے جو ان کی تحریروں کا خاصہ ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب حقیقت الوحی (ص ۱۴۸ تا ۱۵۰) میں خود تسلیم کیا ہے کہ ''براہین احمدیہ'' میں انہوں نے لکھا کہ مسیح ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا، اور اس کے بارہ سال کے بعد ''ازالۂ اوہام'' میں لکھا ''آنے والا مسیح میں ہوں۔''

مرزا صاحب اپنے دعوے کے منکر کو کافر قرار دیتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی خود کو صرف لغوی یا مجازی معنوں میں نبی نہیں کہتے بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کا منکر مسلمان نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سردست مرزا صاحب کی صرف دو تحریریں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) مرزا صاحب اپنے مکتوب مورخہ مارچ ۱۹۰۶ء بنام ڈاکٹر عبدالحکیم میں لکھتے ہیں:

''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا، مسلمان نہیں ہے۔'' (تذکرہ، ایڈیشن چہارم، ص ۵۱۹)

(۲) مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''کفر دو قسم پر ہے۔ (اول) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے، کافر ہے۔ اور اگر غور

سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں' کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا وہ بموجب نصوصِ صریحہ قرآن اور حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔'' (حقیقۃ الوحی' ص ۱۷۹۔۱۸۰)

مرزا صاحب کی نبوت اور حکیم نورالدین صاحب

مرزا غلام احمد قادیانی کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین صاحب انتہائی ذہین شخص تھے۔ انہوں نے اپنے دورِ خلافت (۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۴ء) میں مسلمانوں سے تعاون بڑھانے کے لیے اعتدال پسندانہ روش اختیار کی۔ انہوں نے مصلحتاً مرزا صاحب کی نبوت اور ان کے دعووں پر ایمان نہ لانے والوں کی تکفیر پر زور نہیں دیا۔ اس طرح انہوں نے احمدیوں اور عام مسلمانوں کے درمیان نفرتوں کی وہ خلیج پاٹنے کی کوشش کی جو مرزا صاحب کے الہامات' پیش گوئیوں اور اشتعال انگیز تحریروں نے پیدا کر دی تھی۔ بہرحال ان کے اصل عقائد کے سلسلے میں ان کی دو تحریریں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حکیم نورالدین صاحب لکھتے ہیں:

''ایمان بالرسل اگر نہ ہو تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہوسکتا اور اس ایمان بالرسل میں کوئی تخصیص نہیں' عام ہے' خواہ وہ نبی پہلے آئے یا بعد میں آئے' ہندوستان میں ہو یا کسی اور ملک میں' کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے۔ ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں' بتاؤ کہ یہ اختلافِ فروعی کیونکر ہوا۔'' (مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ج:۱' ص ۲۷۵' بحوالہ اخبار الحکم ج:۱۵' نمبر ۸ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۱۱ء)

(۲) نیز حکیم صاحب ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

''محمد رسول اللہ ﷺ کے منکر یہود و نصاریٰ اللہ کو مانتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے رسولوں' کتابوں' فرشتوں کو مانتے ہیں۔ کیا اس انکار پر کافر ہیں یا نہیں؟ کافر ہیں۔ اگر اسرائیلی مسیح رسول کا منکر کافر ہے تو محمدی مسیح رسول کا منکر کیوں کافر نہیں؟ اگر اسرائیلی مسیح موسیٰ کا خاتم الخلفاء یا خلیفہ یا متبع ایسا ہے کہ اس کا منکر کافر ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کا خاتم الخلفاء یا خلیفہ یا متبع کیوں ایسا نہیں کہ اس کا منکر بھی کافر ہو۔ اگر وہ مسیحا ایسا تھا کہ اس کا منکر کافر ہے تو یہ مسیح بھی کسی طرح کم نہیں۔'' (مجموعہ فتاویٰ احمدیہ' ج ۱' ص ۳۸۵)

مرزا صاحب کی نبوت اور جماعت احمدیہ لاہور

جاوید غامدی صاحب نے اپنے لیکچر میں فرمایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے قدیم ترین رفقاء نے کہا کہ مرزا صاحب مجدد تھے اور لاہوری جماعت اسی تعبیر پر وجود میں آئی۔ غالباً تاریخِ احمدیت غامدی صاحب کا موضوع نہیں ہے' اس لیے انہوں نے یہ ارشاد فرمایا۔ مرزا صاحب نے ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت لینے کا آغاز کیا تو سب سے پہلے حکیم نورالدین نے بیعت کی۔ اُس وقت جماعت احمدیہ لاہور کے بانی امیر مولوی محمد علی لاہوری (۱۸۷۴۔۱۹۵۱ء) انٹرنس کے طالب علم تھے۔ ۱۸۹۰ء میں انٹرنس پاس کرنے کے بعد جب مولوی محمد علی گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے تو اپنے ایک سابق ہم جماعت منشی عبدالعزیز کے ذریعے انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوے کا علم ہوا اور انہی کے ذریعے کتاب ''ازالۂ اوہام'' ان کو ملی' جس کو پڑھنے کے بعد وہ مرزا صاحب کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ اسی طرح مولوی عبدالکریم سیالکوٹی مرزا صاحب سے اُس وقت سے متعارف تھے جب ثانی الذکر سیالکوٹ کی کچہری میں اہلمند تھے۔ انہوں نے بھی جلد ہی بیعت کر لی۔ وہ جامع مسجد مبارک قادیان کے امام اور خطیب تھے اور مرزا غلام احمد قادیانی ان کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب کی موجودگی میں ایک خطبہ جمعہ پڑھا جس میں مرزا صاحب کے لیے نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کیے..... جب جمعہ ہو چکا اور مرزا صاحب جانے لگے تو مولوی صاحب نے پیچھے سے مرزا صاحب کا کپڑا پکڑ لیا اور درخواست کی کہ اگر میرے اس اعتقاد میں غلطی ہو تو حضور درست فرمائیں۔ مرزا صاحب مڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: مولوی صاحب! ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''قادیانیت: مطالعہ و جائزہ'' ص ۷۵)۔ اسی طرح کی کیفیت مفتی محمد صادق' سابق ایڈیٹر اخبار ''بدر'' قادیان کی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر جماعت احمدیہ لاہور کے رہنماؤں کو کس طرح مرزا صاحب کے قدیم ترین رفقا کہا جا سکتا ہے! یاد رہے کہ مولوی محمد علی لاہوری کے دستِ راست خواجہ کمال الدین صاحب (۱۸۷۰ء۔۱۹۳۲ء) نے ۱۸۹۳ء میں مرزا صاحب کی بیعت کی۔ خود محمد علی لاہوری اگرچہ ۱۸۹۰ء میں مرزا صاحب کی صداقت کے قائل ہو چکے تھے لیکن انہوں نے مرزا صاحب کی بیعت ۱۸۹۷ء میں کی۔ مرزا صاحب کے قدیم ترین رفقاء حکیم نورالدین'

مولوی عبدالکریم سیالکوٹی، مفتی محمد صادق وغیرہ کی تحریریں ریکارڈ پر ہیں۔ وہ بالصراحت مرزا صاحب کو نبی قرار دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ضرورت ہے کہ مولوی محمد علی لاہوری اور جماعت احمدیہ لاہور مرزا صاحب کو صرف مجدد نہیں مانتے بلکہ انہیں مسیح موعود بھی مانتے ہیں اور اس نکتے پر احمدیت کی دونوں شاخوں کا اتفاق ہو جاتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں ان کے حکم پر ایک رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' قادیان سے جاری کیا گیا اور ان کی ایما پر مولوی محمد علی لاہوری کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ یہ ذولسانی مجلّہ تھا۔ مولوی صاحب برسوں اس کے ایڈیٹر رہے۔ انہوں نے اپنے بیسیوں مضامین میں مرزا صاحب کے لیے نبی اور رسول کا لفظ استعمال کیا اور اشارتاً بھی نہیں لکھا کہ وہ ان الفاظ کو استعارے کے طور پر یا مجازی مفہوم میں استعمال کر رہے ہیں۔ ایسے مضامین کے اقتباسات ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔ پہلے عدالت میں مولوی محمد علی لاہوری کا ایک بیانِ حلفی ملاحظہ فرمایئے:

۱۳ مئی ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں مولوی محمد علی نے ایک بیان حلفی دیا جس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ جو شخص مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تکذیب کرے وہ کذاب ہوتا ہے۔ اگر مرزا صاحب نے کذاب لکھا تو ٹھیک کہا۔ مولوی صاحب اس بیان میں لکھتے ہیں:

''مکذب مدعیٔ نبوت کذّاب ہوتا ہے، مرزا صاحب ملزم مدعیٔ نبوت ہے، اس کے مرید اس کو دعوے میں سچا، دشمن جھوٹا سمجھتے ہیں۔'' (ماہنامہ فرقان قادیان، جلد ۱، نمبر ۱، جنوری ۱۹۴۲ء، ص ۱۵، مباحثہ راولپنڈی، ص ۲۷۲)

مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے احمدیہ بلڈنگز میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''مخالف کوئی معنی کرے مگر ہم تو اسی پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کر سکتا ہے، صدیق بنا سکتا ہے اور شہید اور صالح کا مرتبہ عطا کر سکتا ہے مگر چاہیے مانگنے والا..... ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا (یعنی مرزا غلام احمد) وہ صادق تھا، خدا کا برگزیدہ اور مقدس رسول تھا۔''
(''الحکم'' ۱۸ جولائی ۱۹۰۸ء، بحوالہ ماہنامہ فرقان قادیان، جنوری ۱۹۴۳ء، جلد ۱، نمبر ۱، ص ۱۱)

مولوی محمد علی لاہوری کی تبلیغی تُرک تازیوں کا دائرہ انتہائی وسیع ہے۔ دیکھئے وہ اپنے ایک مضمون میں ہندوؤں سے مرزا صاحب کا تعارف کس طرح کراتے ہیں:

''ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جلد وہ زمانہ آئے کہ ہمارے ہندو بھائیوں کے

دلوں سے پردے اٹھ جائیں اور ان کو اپنی مذہبی غلطیوں پر بصیرت اور معرفت حاصل ہو جائے اور ان کے سینے اس سچائی کو قبول کرنے کے لیے کھل جائیں جو دین اسلام تعلیم دیتا ہے۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ آخری زمانے میں ایک اوتار کے ظہور کے متعلق جو وعدہ انہیں دیا گیا تھا، وہ خدا کی طرف سے تھا اور اس کو ہندوستان کے مقدس نبی مرزا غلام احمد قادیانی کے وجود میں خدا تعالیٰ نے پورا کر دکھایا ہے۔'' (ریویو آف ریلیجنز، جلد ۳، نمبر ۱۱، ص ۴۰۹ تا ۴۱۱، منقول از رسالہ تبدیلی عقائد مولوی محمد علی، ص ۶۳، مولفہ محمد اسماعیل قادیانی)

مولوی محمد علی لاہوری اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کے بعد خداوند تعالیٰ نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کر دیے۔ مگر آپ ﷺ کے متبعین کامل کے لیے جو آپ ﷺ کے رنگ میں رنگیں ہو کر آپ ﷺ کے اخلاقِ کاملہ سے نور حاصل کرتے ہیں، ان کے لیے یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔'' (ریویو آف ریلیجنز، ج ۴، ص ۱۸۶، بحوالہ تبدیلی عقائد، مولوی محمد علی از محمد اسماعیل قادیانی ص ۲۲، مطبوعہ احمدیہ کتاب گھر قادیان)

۱۹۱۳ء میں جماعت احمدیہ کو اندرونی خلفشار کا سامنا کرنا پڑا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود اپنے حامیوں پر مشتمل ایک تنظیم ''انصار اللہ'' قائم کر چکے تھے۔ وہ مولوی محمد علی لاہوری اور ان کے رفقاء (جن کی اکثریت لاہور سے تعلق رکھتی تھی) کے خلاف تھے۔ اُس وقت قادیان کے اخبارات ''بدر'' اور ''الحکم'' مرزا بشیر الدین کے زیر اثر تھے۔ ان حالات میں مولوی محمد علی کے قریبی رفیق ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ نے (جو بعد کو انجمن اشاعت اسلام لاہور المعروف جماعت احمدیہ لاہور کے معتمد مالیات منتخب ہوئے) لاہور سے ہفت روزہ ''پیغامِ صلح'' جاری کیا۔ اس اخبار کی مالی اور اخلاقی مدد اُن تمام احمدیوں نے کی جو بعد کو جماعتِ احمدیہ لاہور میں شامل ہوئے۔ یہ شروع سے احمدیوں کے لاہوری فریق کا ترجمان رہا ہے۔ یہ اخبار لکھتا ہے:

''معلوم ہوا ہے کہ بعض احباب کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اخبار ہذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب یا ان میں سے کوئی ایک سیدنا و ہادینا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلاۃ والسلام کے مدراج عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت سے اخبار پیغام

صلح کے ساتھ تعلق ہے خدا تعالیٰ کو جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے' حاضر و ناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی' رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔''

(پیغام صلح ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۲' بحوالہ ماہنامہ فرقان قادیان' جنوری ۱۹۴۲ء' ص ۱۳' ۱۴)

اس حلفیہ بیان کے بعد لاہوری جماعت کے اصل عقائد سے ہر پردہ اٹھ جاتا ہے۔

مولوی محمد علی لاہوری انگریزی ریویو آف ریلیجنز میں لکھتے ہیں:

"The Ahmadiyya movement stands in the same relation to Islam in which Christianity Stood to Judaism"

(واضح رہے کہ یہ ۱۹۰۶ء کی تحریر ہے اور ''مباحثۂ راولپنڈی'' ص ۲۴۰ و ''تبدیلی عقائد مولوی محمد علی' مؤلفہ محمد اسماعیل قادیانی' ص ۱۲ سے نقل کی گئی ہے)

ترجمہ: ''احمدیہ تحریک اسلام کے ساتھ وہی رشتہ رکھتی ہے جو عیسائیت کا یہودیت کے ساتھ تھا۔''

یہ تحریر خود وضاحت کر رہی ہے کہ جس طرح عیسائیت اور یہودیت الگ الگ مذہبی اکائیاں ہیں' اسی طرح احمدیت اور اسلام بھی الگ الگ مذہبی اکائیاں ہیں۔ قارئین نوٹ کریں گے کہ مولوی محمد علی لاہوری کی یہ تحریریں ۱۹۱۴ء سے قبل کی ہیں۔ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو مرزا صاحب کے خلیفہ اول حکیم نورالدین کے انتقال کے بعد احمدیوں کی اکثریت نے مرزا صاحب کے صاحبزادے مرزا بشیرالدین محمود کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مولوی محمد علی نے مرزا بشیرالدین محمود کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور انہیں خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یاد رہے کہ مولوی محمد علی کی مستقل رہائش قادیان میں تھی۔ مرزا محمود کے خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد مولوی صاحب کو سوقیانہ نعروں کا نشانہ بنایا جانے لگا اور انہیں مرزا محمود صاحب کی بیعت نہ کرنے پر کھلے عام فاسق کہا گیا۔ اس طرح مولوی صاحب کا قادیان میں رہنا مشکل ہو گیا۔ جب حالات بہت خراب ہو گئے تو وہ ۲۰ اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان چھوڑ کر لاہور آ گئے' جہاں انہوں نے اپنے رفقاء کے اشتراک سے الگ جماعت قائم کی۔ یہ تھا اصل اختلاف جس کے نتیجے میں جماعتِ احمدیہ لاہور کا قیام عمل میں آیا۔ ایک صاحبِ دانش کی رائے کے مطابق اپنی علیحدگی کے جواز کی فراہمی' جماعتِ قادیان سے بغض اور مسلمانوں کی ہمدردیوں کا حصول' وہ محرکات

تھے جن کے تحت مولوی محمد علی لاہوری اور ان کی جماعت نے اپنے سابقہ عقائد اور تحریروں سے رجوع کا اعلان کیے بغیر یہ کہنا شروع کیا کہ ہم مرزا غلام احمد صاحب کو نبی نہیں بلکہ مجدد مانتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی اور محمد علی لاہوری کی تحریروں پر اپنے معروضات پیش کرنے کے بعد جناب جاوید احمد غامدی سے درخواست ہے کہ وہ اپنے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے واضح اعلان کریں کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم جس کے تحت احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا' قرآن اور سنت کے مطابق ہے۔ یہ اعلان اُن کی حق پرستی کا مظہر ہو گا اور وہ ہدیۂ تبریک کے مستحق قرار پائیں گے۔

❁❁❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو' ویڈیو کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا

''ملفوظات ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تالیف ہم تمام منتسبین پر آپ کا احسان ہے!''

استاذ اویس پاشا قرنی کا مکتوب شیخ رحیم الدین صاحب کے نام

حضرت مولانا شیخ رحیم الدین صاحب مدظلہ العالی
نگران طباعت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.....مزاج گرامی!

امیدِ وافر بذاتِ غافر ہے کہ یہ نامہ آنجناب کو ایمان وصحت کی بہترین کیفیت میں موصول ہوگا۔ آمین!

آپ کی جانب سے ہدیہ کردہ کتاب ''ملفوظات ڈاکٹر اسرار احمدؒ'' باصرہ نواز ہوئی۔ الحمدللہ کتاب حسن صوری ومعنوی کا مرکب ہے۔ کتاب کے آغاز میں آپ نے عرض مرتب کے طور پر درج فرمایا ہے:

''معزز قارئین! یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے ''لف ونشر غیر مرتب'' کے زمرے کی کتاب ہے۔ یعنی ایسا نہیں کہ ایک عنوان کے تحت ایک بات مکمل کی گئی ہو۔ پھر دوسرا اور تیسرا عنوان ہو..... بلکہ جو چیز سامنے آئی اس کو وہیں رکھ دیا گیا۔ یہ خطابی انداز ہے۔ قرآن حکیم بھی خطابی انداز میں مدوّن ہے اور ایک ''عاشق قرآن'' کے خیالات ونظریات وافکار کو میں نے اسی انداز میں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔''

کیا حسین پیرایۂ بیان ہے۔ سبحان اللہ! آپ کے اس فقرے نے کافی تڑپایا ہے۔ اور بے ساختہ غالب کا شعر یاد آ گیا ؎

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

شاید آپ نے تیس سالہ رفاقتِ داعیٔ قرآن رحمۃ اللہ علیہ سے سرشار ہو کر جو نسخہ وفا تیار فرمایا ہے وہ ملفوظ در ملفوظ ملفوف ہو کر جب نشر ہوا ہے تو گُہر ہو گیا ہے۔ فارسیان کہتے ہیں ایسے ہی موقع کے لیے: ''دستِ شما درد مکنی'' شاید اسی کی تعریب ''سلّمت یداك'' کی صورت اختیار کر گئی۔

ملفوظات ہماری روایت میں اولیاء اللہ اور اکابر کے اس دلنشیں کلام کو کہا جاتا ہے جو وہ امتِ مسلمہ کے سامنے اپنے گہرے مشاہدات اور وسیع تجربات وعلوم ومعارفِ لدنیہ کی روشنی میں پیش

کرتے ہیں اور جن کے جمع کرنے کا اہتمام ہمیشہ سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ آپ نے حضرت داعیٔ قرآن نور اللہ مرقدہ کی نسبت سے ''ملفوظات'' کے عنوان سے مواد جمع فرما کر اس قافلے کو قدسی نفس لوگوں کی روایت سے جوڑ دیا ہے' یقیناً یہ آپ کا ہم تمام منتسبین پر احسان ہے۔ حتماً کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ٹھیٹ روایتی کام آں جناب جیسی روایتی شخصیت ہی کا خاصہ ہو سکتا تھا۔

اُمت کے علماء اور صلحاء نسلاً بعد نسل اسلام کی دعوت کو نئے نئے اسلوب سے لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ ان کی پراثر باتوں سے دلوں کا زنگ دھلتا رہا۔ اعمال شرعیہ اور فاسد رسوم ورواج کے درمیان تمیز قائم ہوتی رہی اور حق کے اظہار کا عمل مسلسل جاری رہا۔ اللہ والوں کی مختصر مگر دلنشیں باتیں لوگوں میں حیران کن انقلاب برپا کرتی رہیں اور ان کی بدولت مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور ان کے تزکیۂ نفوس میں بہت گہرے اور دوررس نتائج اور اثرات مرتب ہوئے اور یہ ان ہی اصحابِ دل' اصحابِ علم وعمل' درویشانِ خدامست کی باتوں کا اثر ہے کہ مرورِ زمانہ کے باوجود دین کی علمی اور عملی شکل بالکل نکھری ہوئی ہے اور آج بھی اخلاص کے ساتھ عمل کرنے والوں کے لیے دین حق پوری طرح واضح ہے اور یقیناً اللہ والوں کی ان ہی دلنشین باتوں کا دوسرا نام ''ملفوظات'' ہے۔

ویسے بھی ہمارے اکابرین کا یہ مستقل طرزِ عمل رہا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں' اساتذہ اور اپنے محسنین کے ملفوظات کو باقاعدہ مرتب کرتے رہے ہیں تاکہ ان سے مستقبل میں نسلِ نو استفادہ کرے' بلکہ خود اکابرین بھی ان ہی ملفوظات کو باقاعدہ مستقل مزاجی سے پڑھتے ہیں اور اپنے لیے حرزِ جان بناتے ہیں' جیسا کہ ملفوظات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی ۳۲ جلدوں کے بارے میں شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ''بندہ اپنے سرہانے رکھتا ہے اور روزانہ سونے سے قبل چند صفحات پڑھنے کا برس ہا برس سے معمول ہے۔''

آپ نے بھی سلف صالحین کی اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ہمیں ایک قیمتی سوغات سے نوازا ہے۔ یقیناً یہ ایک اہم ضرورت تھی جس کی اللہ کے فضل وکرم سے آپ نے تکمیل فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اہم تالیف کو اپنے بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائیں اور ہمیں اس سے استفادہ کی توفیق عنایت فرمائیں۔ (آمین!)

امیر محترم جناب حافظ عاکف سعید صاحب حفظہ اللہ کے ''پیش لفظ'' اور محترم جناب حافظ عاطف وحید صاحب مدظلہ کی ''تقدیم'' سے کتاب کا حسن اور بھی دوچند ہو گیا۔ مبارک باد وتہنیت قبول فرمائیے!

دعاؤں کا طالب
احقر اویس پاشا القرنی غفرلہ
مدیر' قرآن اکیڈمی یٰسین آباد' کراچی

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۶)

مرتب: پروفیسر حافظ قاسم رضوان

☆

خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ اور اباجی

(گزشتہ سے پیوستہ)

یکم فروری ۱۹۶۲ء کو بعد از نماز ظہر دفتر ادارہ میں درس قرآن کی میٹنگ ہوئی جس میں خواجہ عبدالحئی فاروقی' اباجی و دیگر اراکین نے شرکت کی۔ اس سال کا رمضان المبارک اباجی نے رائے پور میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ہاں گزارا۔ وہیں ۲۸ فروری کے روزنامچے کی تحریر میں مولانا احمد علیؒ کی وفات حسرت آیات کا ذکر اور اظہار غم ہے۔ نیز یہ تحریر ''عاجز اسلامیہ کالج میں خواجہ عبدالحئی فاروقی سے مانوس ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے دہلی چلے آنے پر مولانا احمد علیؒ کی خدمت میں لاہور حاضر ہونے کی ہدایت کی''۔ گویا اباجی کو خواجہ صاحب کے ذریعے ہی مولانا لاہوریؒ سے نیاز حاصل ہوا۔ اوائل مئی میں ادارہ اصلاح وتبلیغ کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ہوا اور درس قرآن کا بھی۔ ادارہ کے زیر اہتمام چلنے والے پرائمری اسکول کو مارشل لاء کے ضابطے کے تحت رجسٹر کروانا ضروری ہے۔ درس قرآن کی چوتھی منزل کے چھاپنے کا فیصلہ ہوا۔ باریک خط کو حسب سابق موٹا رکھنے کی تاکید کی گئی۔

۱۱ جولائی بروز بدھ بوقت صبح دفتر ادارہ میں درس قرآن کی میٹنگ ہوئی۔ بعد میں اباجی کی خواجہ عبدالحئی فاروقی سے خصوصی مجلس ہوئی۔ بقول اباجی ''خواجہ عبدالحئی صاحب سے چند پرانی باتیں سنیں۔ چینیانوالی مسجد (اندرون شہر لاہور) کے درویش کا سی آئی ڈی میں سب انسپکٹر ہونا اور اتفاقاً دفتر میں اس کا مل جانا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کا سی آئی ڈی میں عرضی کا

انگریزی میں ترجمہ کروانا' مولوی عبدالحق حقانی کا ترکوں کے خلاف فتویٰ' حضرت شیخ الہند سے تائید کی درخواست اور ان کا انکار' کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کا پرنسپل بنا دیا جانا''۔ معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے کچھ اجلاسوں سے غیر متعلقہ افراد کی آمد و رفت اور بچوں کا اردگرد منڈلانا (خصوصاً چائے کے وقت) زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اس لیے بطور خاص اباجی کی تحریر ہے کہ ''آج درس قرآن کی میٹنگ مسجد (آسٹریلیا) کی چھت پر ہوئی۔ نہ کوئی غیر آدمی آیا اور نہ بچوں نے یلغار کی''۔ اکتوبر کے شروع میں درس قرآن کی میٹنگ تاج کمپنی میں مفتی خلیل الرحمٰن کے ہاں ہوئی۔ خواجہ صاحب کی شمولیت نہ ہو سکی۔ اباجی' مرغوب صاحب اور چودھری عبدالعزیز سیکرٹری ادارہ نے ہی مل کر متعلقہ اسباق پر نظر ثانی کر لی۔

۳/اپریل کو بعد از نماز ظہر دفتر ادارہ میں درس قرآن کا اجلاس ہوا۔ خواجہ صاحب سمیت تمام ارکان موجود تھے۔ بعد از نماز عصر اباجی اور چودھری عبدالعزیز دفتر تاج کمپنی میں مفتی خلیل الرحمٰن صاحب سے ملے۔ وہیں پیر عبدالحمید کاتب آ گئے اور ان کے ساتھ درس قرآن کی بلاک چھپوائی کے متعلق مشورہ ہوا۔ ایک لاکھ کا خرچہ ہوگا۔

۳۰/اپریل کو ''بعد از نماز عصر تاج کمپنی میں ادارہ اصلاح وتبلیغ کی مجلسِ منتظمہ کی میٹنگ ہوئی۔ ادارہ کے (پرائمری) اسکول کو رجسٹر کر دیا گیا۔ وہاں سے دو کمرے اور مہیا کرنے کا حکم ملا ہے۔ خواجہ امیر بخش (بانی آسٹریلیا مسجد) سے مشورہ ہوگا۔ درس قرآن کی عکسی چھپائی کے لیے پیر عبدالحمید کی کتابت کا نمونہ پیش ہوا۔ چائے اور مٹھائی۔ مغرب۔''

۸ مئی کو دفتر تاج کمپنی میں صبح درس قرآن کی میٹنگ ہوئی۔ خواجہ صاحب' مرغوب صاحب' عبدالعزیز صاحب (سیکرٹری ادارہ) اور اباجی نے شمولیت کی۔ ''بعد میں مرغوب صاحب کو تحریر میں وقفہ جات' سطروں کا صفحوں پر قریباً برابر ہونا' مضمون آسان وغیرہ کی چند تجاویز پیش کیں۔ اب ارادہ درس قرآن کا عکسی چربہ چھاپنے کا ہے' ان شاءاللہ!''

۸ مئی کے تیسرے ہفتے میں ذکر ہے کہ اباجی نے درس قرآن کی چوتھی منزل پر نظر ثانی ختم کر دی۔ قریباً چالیس پرچے تھے۔ مرغوب صاحب کو دوبارہ عام فہم لکھنے کی تاکید کی گئی تاکہ عام آدمی کی سمجھ میں بھی آ سکے۔ اواخر مئی میں پھر درس قرآن کا اجلاس ہوا جس میں اباجی کی طرف سے خاص طور پر حافظ مرغوب صاحب کی سادہ تحریر اور آسان فقروں کی تعریف کی گئی اور انہیں آسان نویسی کی ترغیب دی گئی۔

۲۸/اگست ۱۹۶۳ء کو بقول اباجی ''ادارہ میں درس قرآن کی میٹنگ ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں اور ان کے قتل کا واقعہ کافی لمبا ہوا اور اس میں دو بالکل مختلف معانی سنے اور کافی وقت لگ گیا۔ ایک تفسیر کے مطابق گھوڑوں کو قتل کرنے کی بجائے واپس بلا کر مزید پیار کیا''۔ ستمبر کے دوسرے ہفتے میں پھر درس قرآن کی میٹنگ حسبِ معمول ہوئی۔ اباجی نے ''خواجہ عبدالحئی (فاروقی) اور حافظ مرغوب احمد توفیق سے صوفیاء کی اصطلاح صاحب خدمت' اور قطب' ابدال' اوتار وغیرہ کی حقیقت پوچھی۔ اس کی قرآن یا حدیث میں کیا بنیاد ہے؟''

۲/اکتوبر کو بھی درسِ قرآن کا اجلاس ہوا جس میں ارکان شریک ہوئے اور متعلقہ نکات پر تبادلہ خیال ہوا۔ درس قرآن بورڈ کی بعض نشستیں پانچ' پانچ گھنٹوں پر بھی محیط تھیں۔ اباجی کی درس قرآن کے اسباق پر نظر ثانی بھی جاری رہی۔ ۸جنوری ۱۹۶۴ء کو بعد از نماز ظہر آسٹریلیا مسجد میں درسِ قرآن کی میٹنگ ہوئی۔ بعد میں اباجی کا خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ سے کچھ ذاتی مشورہ بھی ہوا۔ حافظ مرغوب صاحب اپنی علالت کی وجہ سے اجلاسوں میں شریک نہیں ہو رہے۔

۲۷مئی کو صبح دفتر ادارہ میں درس قرآن کا اجلاس ہوا جس میں خواجہ صاحب اور حافظ مرغوب صاحب کی شمولیت اور مسودے کے اہم نکات پر باہمی تبادلہ خیال ہوا۔ ۲۲/جولائی کو بقول اباجی ''صبح درس قرآن کی میٹنگ میں شریک ہوا۔ مرغوب صاحب اور خواجہ عبدالحئی کے سامنے ایک توراشی جج کے شر سے بچنے کے لیے نذرانہ دینے یا نہ دینے اور ظلم برداشت کرنے اور دوسرے لڑکی کے نکاح کے لیے شرعی پردہ چھوڑ دینے اور جیسی بھی جگہ ملے' اس جگہ نکاح کر دینے یا پھر شرعی پردہ پر ثبات رکھنے اور لڑکی کو بٹھائے رکھنے کے دو سوالات پیش کیے۔ وہ دین کے فقدان کا افسوس کر کے رہ گئے۔ واقعی دین پر عمل کرنے والا آدمی مشکل ہی ملتا ہے۔''

درس قرآن بورڈ کے اجلاس حسبِ معمول جاری رہے اور کام آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ بفضلہٖ پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ اباجی کے دستیاب روزناچوں میں اس حوالے سے ۹جون ۱۹۶۷ء کی تاریخ میں یہ آخری تحریر ملتی ہے کہ ''درسِ قرآن کا نوٹس آ گیا کہ رسالہ شائع نہ ہونے کی وجہ سے ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اب (اسے) ہرگز شائع نہ کیا جائے''۔ ہوسکتا ہے کہ درس قرآنِ مکمل ہو کر طبع ہو جانے کی وجہ سے رسالہ کی اشاعت بند کر دی گئی ہو۔ (راقم)

مئی ۱۹۵۵ء سے اکتوبر ۱۹۶۵ء تک (دس سالوں میں) پندرہ روزہ درس قرآن کے ذریعے تفسیر قرآن اختتام کو پہنچی۔ بعد میں ادارہ اصلاح و تبلیغ' عقب آسٹریلیا مسجد بالمقابل

ریلوے اسٹیشن' لاہور نے سات جلدوں میں اسے چھاپا۔ راقم کو بھی اباجی کبھی کبھی ساتھ لے جاتے تھے۔ وہیں خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ اور دیگر بزرگوں کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔

اگر ہم لوگ روزانہ چند منٹ فارغ کر کے گھر کے سبھی افراد کے ساتھ بیٹھ کر اپنے میں سے ہی کسی ایک سے ایک درس قرآن سن اور سمجھ لیں تو اس سے بخوبی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی کام مساجد' تعلیمی و سرکاری اداروں اور دیگر مقامات پر بھی ہوسکتا ہے۔ (راقم)

'درس قرآن' کی چند امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں۔ ہر صفحے کا ایک مستقل درس ہے جسے روزانہ چند منٹوں میں پڑھا اور سنایا جا سکتا ہے۔ ہر درس کا ایک مستقل عنوان اور موضوع ہے۔ عنوان کے تحت متعلقہ آیت کا متن دائیں طرف اس طرح سے ہے کہ اس کے الفاظ کو ڈیش دے کر الگ الگ ظاہر کیا گیا ہے اور نیچے ان کے معانی دیے گئے ہیں۔ بائیں طرف متن کا آسان اور بامحاورہ ترجمہ ہے۔ گویا بیک وقت لفظی معنی اور بامحاورہ معنی سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ پھر مشکل الفاظ کی تشریح کے ساتھ آیت کی ترجمانی کا پورا حق ادا کیا گیا ہے۔ سادہ زبان' آسان جملے' دور از کار بحثوں سے مکمل احتراز' فقہی موشگافیوں سے دوری کے ساتھ کمال یہ کہ تفسیری روح سمجھنے کے ساتھ قرآنی تعلیمات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ اس دورِ فتنہ میں ایک عام آدمی بھی اس سے مکمل طور پر بغیر استاد کے مستفید ہوسکتا ہے اور یہی اس کا مقصد بھی ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اباجان کی یادداشتوں میں درس قرآن بورڈ کے دوسرے اہم رکن مرغوب احمد توفیق صاحب کا علیحدہ سے ذکر ۱۸ستمبر ۱۹۵۳ء کے حوالے سے یوں ملتا ہے: ''جمعہ کے بعد مولوی عبدالحمید صاحب (اباجی کے قریبی دوست) کے ہمراہ مرغوب صاحب کو ملنے گئے' مفکر ہیں' فرد کی اصلاح' جماعت اور معاشرہ کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اصلاح کا موقع بغیر مدد کرنے کے مشکل ہے اور مدد کرنے کے لیے دوسرے کے حالات کا علم ضروری ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں اور ایک دوسرے کا حال پوچھیں۔ فرد مجموعہ ہے اعضاء کا اور ہر عضو کی ایک حاجت ہے۔ تو آدمی حاجات کا مجموعہ ہے اور ایک آدمی کے لیے اپنی ساری حاجات خود پوری کرنا محال ہے۔ مل جل کر ہی معاشرہ کی شکل میں افراد ایک دوسرے کی

اصلاح کر سکتے ہیں۔لیکن جیسے فرد کی مدد کرنے کی طاقت محدود ہے‘ اسی طرح معاشرہ کی مدد کرنے کی طاقت بھی اپنی حدود رکھتی ہے۔لامحدود طاقت تو صرف ایک ہی ہے جو سب طاقتوں کا منبع اور سب طاقتوں سے بڑی ہے‘ وہ اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔سوسائٹی (معاشرہ) کی حدود سے آگے اُس سے مدد چاہی جائے گی۔یہ ایمان کی قوت ہے‘ جس کے بغیر کوئی صورت معاشرہ کی اصلاح کی نہیں۔سوسائٹی کی قوت اجتماعی تعاون ہے جس کی سب سے نمایاں صورت چندہ (مالی تعاون) ہے۔کمزور کو سوسائٹی اپنے حدود کے اندر مدد دے گی۔اس کے لیے امین افراد کا پیدا ہونا اور کام کرنا ضروری ہے جو معاشرہ ایسے افراد پیدا نہیں کر سکتا‘ وہ ہرگز پنپ نہیں سکتا۔ سوسائٹی میں میل ملاپ تفقدِ احوال نماز باجماعت کے ذریعے ہوگا۔دین میں اسی لیے فرائض کی ادائیگی کی صورت اکثر مجموعی ہے۔جماعت افراد کی مدد کرے گی اور اصلاح کرے گی اور اس سلسلہ میں معاشرہ سے سرتابی کرنے والوں اور معاشرہ میں معصیت اور عفونت پھیلانے والوں کی لازمی سرکوبی بھی کرے گی تاکہ اجتماعی بہبود کے کام سے کوئی سرتابی نہ کرے۔ سوسائٹی کا کام ہی افراد کو غلط راہ سے توڑنا اور صحیح راہ پر جوڑنا ہے۔‘‘

۱۸ جولائی ۱۹۵۹ء کی سہ پہر کو اباجی نے گڑھی شاہو اپنے گھر میں ایک آم پارٹی کا بندوبست کیا جس میں ’درس قرآن‘ سے متعلقہ چودھری عبدالعزیز‘ خواجہ عبدالحئی فاروقی اور مرغوب احمد توفیق صاحبان شامل ہوئے۔برف لگے آموں کے بعد لسّی پی گئی۔بعد میں باہمی تبادلۂ خیال ہوا۔۲۳ دسمبر ۱۹۵۹ء کو اباجی نے درس قرآن کی میٹنگ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مرغوب صاحب کو ایک بار پھر آسان لکھنے کی درخواست کی۔لگتا ہے کہ درس قرآن کا ابتدائی مسودہ حافظ مرغوب احمد ہی لکھتے تھے۔(راقم)

مئی ۱۹۶۲ء کے ایک اندراج کے مطابق اباجی نے مرغوب احمد توفیق صاحب کو بعض مضامین آسان طور پر دوبارہ لکھنے کے لیے گزارش کی۔اوائل مئی ۱۹۶۳ء میں درس قرآن کے ایک اجلاس میں مرغوب صاحب کو تحریر میں وقفہ جات‘ سطروں کا مضمون پر قریباً برابر ہونا‘ مضمون آسان وغیرہ کی چند تجاویز پیش کیں۔

۲۹ مئی کو اباجی کی تحریر یوں ہے: درس قرآن کی میٹنگ میں شریک ہوا۔مرغوب صاحب کے سادہ فقروں کی تعریف کی‘ جو وہ اب لکھنے لگے ہیں اور آسان نویسی کی ترغیب دی۔

۲۱ جون ۱۹۶۳ء کا ہی ایک اندراج ہے۔’’درسِ قرآن کی میٹنگ میں شریک ہوا۔دہی

کی لسی پی۔مرغوب صاحب سے کَافَّۃ کی تفسیر اسلام کے اندر پورے پورے داخل ہونے کی بجائے سب کے سب اسلام کے اندر داخل ہو جاؤ‘ سنی۔‘‘

خواجہ عبدالحی فاروقیؒ کے چند اقوال زریں درج ذیل ہیں:

☆ قرآن کا نزول صرف اس لیے ہوا ہے کہ: (ا) اس کو نہایت ہی غور و خوض سے پڑھیں‘ اور اس کی آیات پر درس و فکر کریں۔(ب) جس قدر پڑھیں اس پر عمل پیرا ہوں۔ (ج) قرآن حکیم پر عمل کرنے میں رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں۔

☆ وہ دین فطرت جو حجاز کی وادیوں میں اپنے اصل حسن و جمال کے ساتھ دلفریبی اور کشش کا باعث تھا‘ اس پر مجوسیوں کی عجائب پرستیاں‘ یہودیوں کے دوراز کار اضافے اور بت پرستوں کے رسم و رواج چھا گئے‘ اور اب ہمارا زمانہ آیا تو دودھ سے پانی کا جدا کرنا سخت ترین کام ہو گیا۔

☆ قرآن بار بار درس و مطالعہ کی دعوت دیتا ہے‘ محض الفاظ پر زور دینا اور حقیقت سے غافل رہنا شریعت کے نزدیک بے کار ہے۔

☆ مسلمان صرف اس غرض کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہیں کہ وہ ہر نیکی کے آمر اور ہر برائی کے ناہی ہیں۔تبلیغ و دعوت ان کا طرۂ امتیاز ہے‘ جو ان کو باقی تمام اقوامِ عالَم سے نمایاں کرتا ہے۔ان کا ہر ہر فرد پیکر دعوت و اصلاح ہے اور اس میں کسی ایک گروہ کی تخصیص نہیں۔

☆ صدیوں کے تجربے نے آج اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ جب تک ہر فرزند اسلام قرآن حکیم کی دعوت کے لیے سر بکف کوشش نہ کرے گا‘ اور اس کتاب عزیز کو لے کر سرفروشانہ اقدام نہ کرے گا‘ امتِ مسلمہ کا تنزل و انحطاط سے نجات حاصل کرنا محالِ قطعی ہے۔

تشنگی دور کرنے کے لیے مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دو مزید واقعات لکھے جاتے ہیں۔ بقول اباجی شروع میں ایک مرتبہ مولانا کے بڑے بیٹے حافظ حبیب اللہ نے ایک مسجد میں قرآن پاک تراویح میں سنایا۔ختم قرآن کے موقع پر مولانا کسی بھی عنوان سے حافظ صاحب کے خورد و نوش اور ہدیہ کے خلاف تھے۔اُس وقت ایک سادہ شخص دودھ کا گلاس لے آیا اور حافظ صاحب کے پینے پر اصرار کیا تو حضرت لاہوریؒ نے ان کو دینے کی بجائے خود نوش فرما لیا۔عام لوگوں کے ذہن میں دینی بندوں کے بارے میں جو معیار ہے‘ اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ مولانا احمد علیؒ کی زبانی اباجان سنایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ مولانا لاہوری بازار سے قریب کسی

جگہ تشریف فرما ہو کر کیلے چکھ رہے تھے۔ دو آدمی نزدیک سے گزرے تو ایک نے دوسرے سے طنزاً پنجابی میں کہا: ''ویخ اوئے ویخ! مولوی کیلے کھاندا ای'' (دیکھو بھئی دیکھو! مولوی کیلے کھا رہا ہے)۔ اس پر ابا جی اضافہ کرتے کہ شیطان نے عامۃ الناس میں دینی لوگوں کے حوالے سے ایک ایسا عقل سے بعید تصور قائم کر دیا ہے کہ انہیں اچھا کھانے پینے، رہنے اور کسی ضرورت یا چیز کی حاجت نہیں ہونی چاہیے۔ یعنی دین پر پورا چلنا اور اس کی خدمت عوام کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی وہ یہ کر سکتے ہیں۔ یہ تو بس کچھ مخصوص لوگوں کے ہی کرنے کا ہے اور ان کا کرنا ہی سب کے لیے کافی ہے۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا!

(جاری ہے)

مکتوب کا بقیہ حصہ

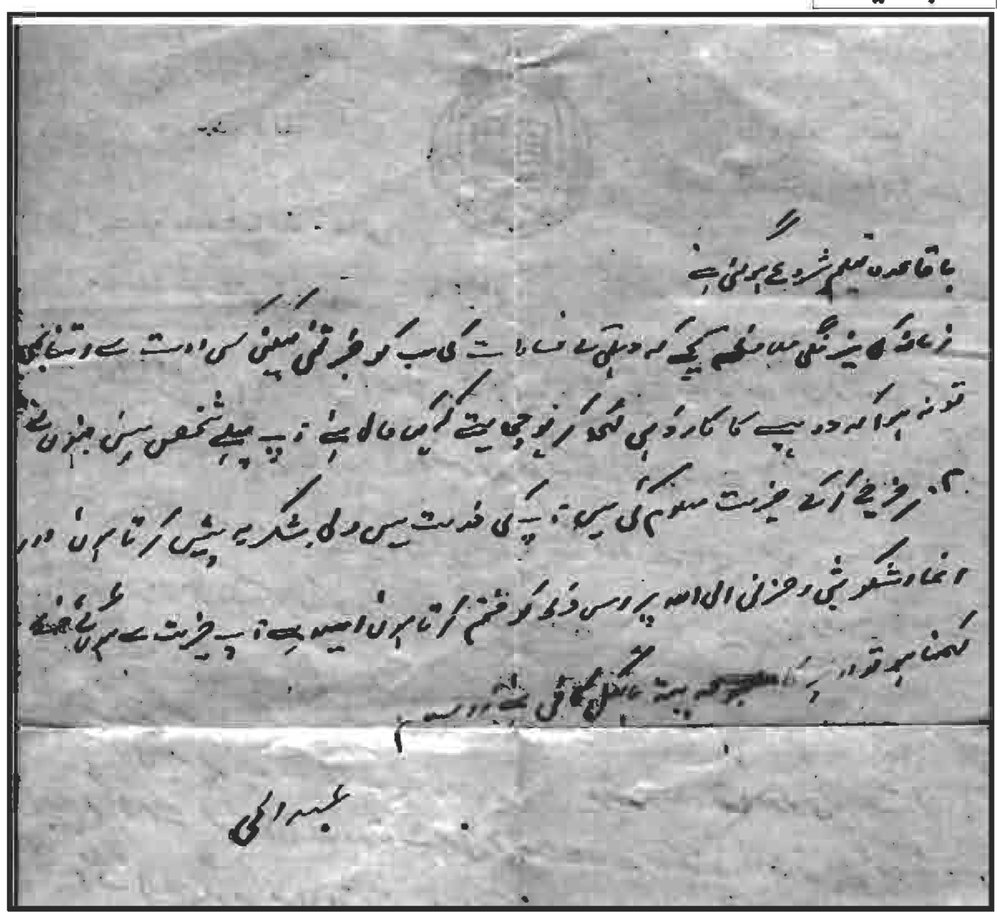

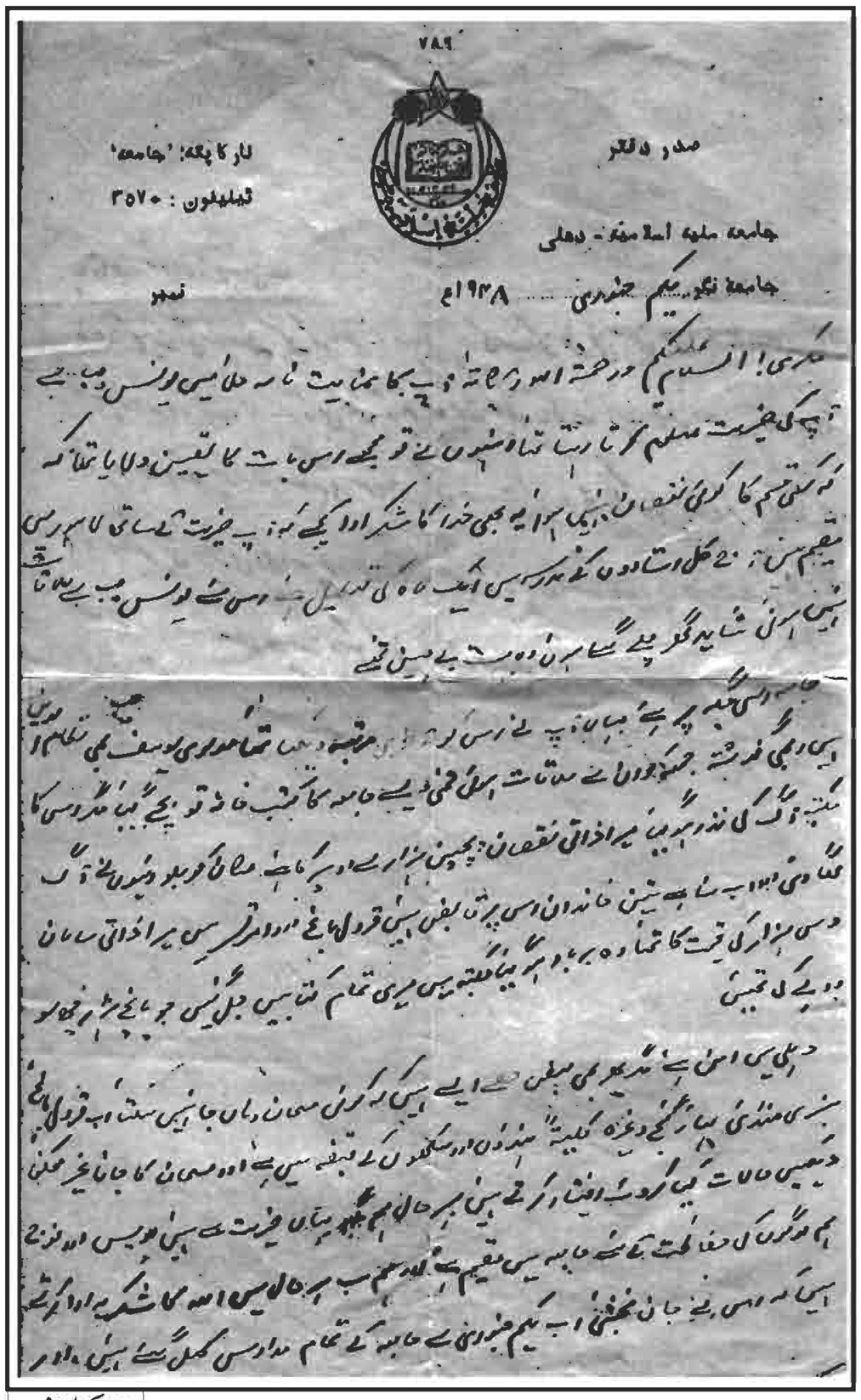

بقیہ پچھلے صفحہ پر

خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ کا مکتوب حاجی عبدالواحد صاحبؒ کے نام

محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے شخصی احوال، سوانح اور گراں قدر علمی، دینی وقرآنی خدمات
کے تذکرہ پر محیط ایک جامع اور مبسوط دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

شخصیت اور دینی خدمات

محترمہ رافعۃ الجبین

کا ایم ایس علومِ اسلامیہ کا 5 ابواب پر مشتمل تحقیقی مقالہ:

- ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اور ان کا دور
- ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی، تبلیغی اور تنظیمی خدمات
- ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدماتِ تفسیر قرآن
- ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفی اور تالیفی خدمات
- ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے افکار اور عصر حاضر

دیدہ زیب ٹائٹل ❁ امپورٹڈ بک پیپر ❁ اعلیٰ معیاری طباعت
❁ صفحات: 320 ❁ قیمت: صرف 250 روپے

شائع کردہ

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-35869501

Email: maktaba@tanzeem.org Website: www.tanzeem.org

Apr.2016
vol.65

Regd.CPL NO. 115
NO.5

Monthly Meesaq Lahore